عجوبۂ روزگار

چارلی چیپلن

عظیم کامیڈین

(حالاتِ زندگی)

ریحان احمد عبّاسی

www.taemeernews.com

© ریحان احمد عباسی

تقسیم کار

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ دہلی 110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ 202002

پہلی بار دسمبر ۹۳ء تعداد: 1000 قیمت ۹/-

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج۔ نئی دہلی میں طبع ہوئی۔

www.taemeernews.com

عظیم کامیڈین

چارلی چیپلن

کھیل، بچے ہوں یا بڑے، سبھی کو پسند ہیں۔ انسان کو کھیلوں سے دلچسپی زندگی کے ابتدائی ایّام سے ہی شروع ہوجاتی ہے اور عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ وسائل اور ذوق کے مطابق ان میں تبدیلی، نکھار اور پختگی آتی جاتی ہے۔ کھیلوں سے کیا فائدہ ہوتا ہے، اگر کوئی اس کا مختصر لفظوں میں جواب دینا چاہے تو یہی کہہ سکتا ہے کہ کھیلوں سے صحت بنتی ہے، کام کو تیزی اور پھرتی سے انجام دینے کی عادت پڑتی ہے، جھجک اور وسوسوں سے نجات ملتی ہے، خود اعتمادی آتی ہے، مشکلات اور دشواریاں آنے پر ہاتھ پیر چھوڑنے کے بجائے ان سے مقابلہ کر کے ہر حال میں اپنے مقصد تک پہنچنے کا حوصلہ ملتا ہے۔

دنیا میں ہزاروں طرح کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ بھانت بھانت کے کھیل۔ بہت سے کھیل ایسے ہیں جو تقریباً ہر جگہ رائج اور جانے پہچانے ہیں اور بعض غیر معروف، نہایت پیچیدہ، عجیب و غریب اور انوکھے۔ ایسے ہی انوکھے کھیلوں میں سے ایک کھیل اب سے کوئی ستّر اسّی سال پہلے امریکا میں کچھ نوجوان دوستوں نے شروع کیا تھا جو شاید اُنھی کے ہاتھوں ختم بھی ہوگیا۔

وہ کھیل اس طرح کھیلا جاتا کہ کچھ نوجوان دوست، جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہی شامل رہتے، جب کسی کے گھر شام کو جمع ہوتے تو کچھ دیر

www.taemeernews.com

گپ شپ کے بعد جس کمرے میں بیٹھے ہوتے، جلدی جلدی اس کا کونا کونا سامان سے خالی کر لیتے۔ اس طرح کھیل شروع کرنے کے لیے ان کے پاس بغیر ہلدی پھٹکری لگے ایک مناسب اسٹیج یا پلیٹ فارم تیار ہو جاتا۔ پھر کمرے میں موجود ہر نوجوان کاغذ کے ایک جیسے پرزوں پر تقریر کے لیے کسی مضمون کا عنوان لکھتا۔ پھر اس کو اچھی طرح تہہ کر کے ایک ہیٹ میں ڈال دیتا۔ ایسا کرتے وقت ہمیشہ ایک دوسرے سے یہ تاکید کی جاتی کہ وہ کسی سنجیدہ مضمون کا عنوان لکھے، مزاحیہ کا نہ لکھے کیونکہ ہنسی مذاق کا نمبر بعد میں آتا تھا۔ کھلاڑی ایک دوسرے کو یہ بھی ترغیب دیتے جاتے کہ اس کھیل میں وہ سنجیدگی سے شرکت کریں، کیوں کہ ہوتا یہ تھا کہ اگر کوئی ایک فرد بھی ناکامی یا خفت کے اندیشے یا کسی اور سبب شرکت سے بچنے کی کوشش کرتا تو اس کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی راہِ فرار اختیار کرنے لگتے تھے۔

جب سب اپنی اپنی پرچیاں تہہ کر کے ہیٹ میں ڈال دیتے تو میزبان، یا پھر کوئی اور جو اس وقت کھیل کو ترتیب دے رہا ہوتا، اپنی گھڑی دیکھتا اور ہیٹ کو اس لڑکے یا لڑکی کے سامنے لے جاتا جو "پلیٹ فارم" کے بائیں طرف پہلے نمبر پر کھڑا ہوتا۔ اب اس کو ہیٹ میں ہاتھ ڈال کر تہہ کی ہوئی پرچیوں میں سے کوئی ایک پرچی نکالنا اور اسے لے کر پلیٹ فارم پر جانا ہوتا۔ وہ حاضرین کے سامنے کھڑے ہو کر کاغذ کے پرزے کو کھولتا۔ اس میں درج عنوان کو بلند آواز سے پڑھتا۔ حاضرین میں سے جس کسی نے وہ عنوان لکھا ہوتا، وہ اس کی تصدیق کرتا، اس کے بعد اسٹیج پر موجود اس لڑکے یا لڑکی کو 'لاٹری' میں نکلے عنوان پر تقریر کرنا ہوتی۔ ایک دم، بلا توقف، ذرا بھی وقت برباد کیے بغیر۔ بس ایک منٹ کی برمحل تقریر۔

صرف ایک منٹ تقریر کرنا لازمی تھا۔ اگر کوئی شخص تقریر نہ کر پاتا، تب بھی اس کے لیے لازم ہوتا کہ وہ ایک منٹ تک ہر حال میں سب کے سامنے

www.taemeernews.com

اسٹیج پر کھڑا رہے۔ اس طرح لگاتار پرچیاں نکلتی جاتیں اور سبھی کو تقریر کا موقع مل جاتا۔

کیا آپ جانتے ہیں اس انوکھے اور دلچسپ کھیل میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے اور بلا ناغہ شرکت کرنے والوں میں سرِ فہرست کس کا نام تھا؟ وہ نام تھا سر چارلس اسپنسر چیپلن (SIR CHARLES SPENCER CHAPLIN) کا۔ انگلینڈ کا رہنے والا چھوٹے قد کا وہی جانا مانا مزاحیہ فلمی اداکار چارلی چیپلن، جس نے اپنی دلفریب اداکاری کے ذریعے لوگوں میں خوشیاں اور قہقہے بانٹے۔ وہی چیپلن جو فلموں میں اپنے بے تکے لباس اور نرالی وضع قطع کے سبب دیکھتے ہی پہچان لیا جاتا ہے اور لوگ اس کا حلیہ اور حرکتیں دیکھ کر بے اختیار مسکرانا اور ہنسنا شروع کر دیتے ہیں اور جس کی فلمیں ایک طویل مدّت گزر جانے کے باوجود آج بھی اپنی آب و تاب بنائے ہوئے ہیں اور کیا بچّے اور کیا بڑے سبھی میں یکساں مقبول ہیں۔

اس کھیل کو جس کا ابھی ذکر آیا اور جسے ہم معمّے والی تقریر کھیل بھی کہہ سکتے ہیں، دراصل چارلی چیپلن کے ایک قریبی دوست میکس فارریسٹر ایسٹ مین (MAX FARRESTER EASTMAN) کے دماغ کی اُپج تھی جنھوں نے بعد میں ایک خوش کلام شاعر، ایک کہنہ مشق ادیب، ایک کامیاب سیاستداں اور ایک بلند پایہ مقرّر کی حیثیت سے شہرت پائی۔ نظم و نثر پر جو کتابیں انھوں نے لکھی ہیں، ان کی فہرست کافی طویل ہے۔ 'ایسٹ مین' نے روسی زبان کی منتخب کتابوں اور مضامین کا انگریزی زبان میں منتقل کرنے کا کام بھی بڑی خوبی سے انجام دیا جس سے ان کی شہرت میں اور اضافہ ہوا۔

بغیر کسی پیشگی تیاری کے کسی سنجیدہ موضوع پر فی البدیہہ یا برمحل تقریر کرنے والا یہ کھیل سچ مچ ایک مشکل کھیل تھا۔ خاص طور سے ان نئے کھلاڑیوں کے لیے تو واقعی انتہائی دشوار ثابت ہوتا تھا جو اس کھیل میں پہلی بار شریک ہوتے

www.taemeernews.com

تھے۔ تقریر کرنے کے لیے صرف ایک منٹ کی مدّت دراصل جان بوجھ کر اس لیے بھی رکھی گئی تھی کہ نئے کھلاڑی یہ سوچ کر کہ یہ کوئی بڑا وقفہ نہیں ہے خوشی خوشی اس کھیل میں شرکت کے لیے تیار ہو جائیں۔ لیکن جب وہ پہلی بار حاضرین کے سامنے اسٹیج پر کھڑے ہو کر تقریر شروع کرنا چاہتے تو ان کی ہستی گم ہو جاتی، اور تب ان پر یہ حقیقت واضح ہوتی کہ ایک منٹ کا وقفہ کوئی معمولی نہیں، بلکہ بڑا طویل مدّت والا وقفہ ہوتا ہے۔

اب یہی دیکھیے کہ چارلی چیپلن جیسا شخص جو بچپن سے ہی ڈراموں میں اداکاری کرتا چلا آرہا تھا اور جس نے کہانیاں، افسانے اور ڈرامے بھی لکھنا شروع کر دیے تھے، جب پہلی بار اس کھیل میں شریک ہوا تو اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ اسٹیج پر آکر پورے ایک منٹ تک اس لڑکی کی طرح جو اسکول میں پہلی بار آئی ہو، شرمایا شرمایا، جھینپا جھینپا، پریشان، پھیکی ہنسی ہنستا رہا۔ اُس کے مُنہ سے تقریر کے نام پر ایک جُملہ تو بڑی بات، ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ ہاں یہ ضرور دیکھنے میں آیا کہ اُس نے کھیل کے مقرّرہ ضابطوں کی پابندی کی اور پورے ساٹھ سیکنڈ دلیرانہ طور پر اسٹیج والے کونے میں ہاتھ لٹکائے کھڑا رہا۔ بالکل خاموش، جیسے کسی نے اس کے ہونٹ سی دیے ہوں یا اُسے بولنا ہی نہ آتا ہو۔

چیپلن، کمرے میں موجود حاضرین کی خاموشی اور ہنسی اڑانے والی طنزیہ مسکراہٹ کے باوجود اپنے آپ کو سنبھالے رہا۔ اس کی تعریف اس لیے بھی کی جا سکتی ہے کہ اس ناکامی کے باوجود وہ دل برداشتہ نہیں ہوا، حوصلہ نہیں چھوڑا دل چھوٹا نہ کیا اور خفّت و شرمندگی کے خوف سے راہِ فرار اختیار نہ کی۔ بلکہ وہ ایک بہادر اور حوصلہ مند سپاہی کی طرح میدان میں ثابت قدمی سے ڈٹا رہا اور جب اگلی بار پھر اُسے کھیل میں شرکت کا موقع ملا تو پہلے ناکام تجربے کے برعکس اس نے پورے اعتماد کے ساتھ نپے تُلے انداز میں نہایت مدلّل اور کامیاب تقریر

www.taemeernews.com

کر ڈالی جس کی تعریف تالیوں کی گڑگڑاہٹ سے کی گئی۔

مگر چیپلن نے اس کامیابی پر قناعت نہ کی۔ اُسے یہ پسند نہ آیا کہ دوسروں کے دکھائے ہوئے راستوں پر چلتا رہے۔ اس نے کھیل میں نیا پن لانے اور اُسے اور زیادہ موثر بنانے کے لیے ایک اضافہ کر ڈالا جس نے ذہانت والے اس کھیل کو پہلے سے زیادہ پسندیدہ اور دلچسپ بنا دیا۔

چیپلن کی تجویز کے مطابق اب ایک ہیٹ کی جگہ دو ہیٹ استعمال کیے جانے لگے۔ ایک ہیٹ میں تو پہلے کی طرح مضامین کے عنوانات والی پرچیاں ڈالی جاتیں اور دوسرے میں کرداروں کے نام والی۔ مثلاً طالب علم۔ اسکول کا ماسٹر۔ کالج پروفیسر۔ ڈاکٹر۔ پادری۔ وکیل۔ سپاہی۔ سیاست داں وغیرہ وغیرہ اس طرح نمبر آنے پر ایک کے بجائے دو پرچیاں ایک ساتھ نکالی جاتیں اور کھلاڑی کو ان میں درج عنوان پر دیے ہوئے کردار کے روپ میں تقریر کرنا ہوتی۔ اس نئی تبدیلی کے بعد نئے نئے کرداروں کے لیے نئے نئے اور مختلف اقسام کے کپڑوں کی ضرورت پڑنے لگی۔ اس ضرورت کو سہولت کے مطابق آہستہ آہستہ پورا کیا جاتا رہا۔ ایک بار جب ایسے ہی موقع پر ایک کھیل کے دوران چارلی چیپلن کو بے دانتوں والے ایک پوپلے بوڑھے سپاہی کے روپ میں جو بہت سی لڑائیوں میں حصّہ لے چکا ہو، تقریر کرنے کا موقع ملا تو اس نے اپنی کامیاب ایکٹنگ سے حاضرین کا دل موہ لیا اور کردار کے حسب حال اتنے دلچسپ اور دلفریب انداز میں تقریر کی کہ لوگوں کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔

اس تبدیلی کے بعد کھیل میں نئی جان پڑ گئی اور اس کا نیا نام 'معمّا والا ڈراما کھیل' رکھ دیا گیا۔ اور اگر لفظ 'ایجاد' کا استعمال یہاں صحیح ہے تو یوں سمجھیے کہ اس نئے کھیل کی ایجاد کا سہرا چارلی چیپلن کے سر باندھ دیا گیا۔ کھیل کا نام ہی نہیں بدلا بلکہ اس میں کچھ اور تبدیلیاں بھی کی گئیں۔ ایک تبدیلی تو یہ کی گئی کہ

www.taemeernews.com

کھیل کی مدّت بڑھا دی گئی۔ اور دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ ہیٹ میں ایسے عنوانات کی پرچیاں ڈالی جانے لگیں جو ایک ایکٹ کے ڈراموں کے لیے مناسب وموزوں ہوں۔ اب کھیل شروع کرنے سے پہلے کھلاڑی ساتھیوں کو دو دو کے گروپ یا جوڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور بجائے الگ الگ پرچیاں اٹھانے کے گروپ کی طرف سے پرچیاں اٹھائی جاتیں۔ عنوان کھل جانے پر وہ جوڑی باہم مشورہ کرنے اور جمع شدہ کپڑوں کے ڈھیر میں سے ضرورت کی پوشاک چھانٹنے اور انھیں زیب تن کرنے کے بعد اسٹیج پر آکر مقررہ عنوان کے تحت ایک ایکٹ کا ڈراما شروع کر دیتی۔ وہ ضرورت کے مطابق کبھی الگ الگ ڈائیلاگ بولتے۔ کبھی آپس میں مکالمہ یا بات چیت شروع کر دیتے اور کبھی دونوں کردار ایک ساتھ بولنے یا گانے لگتے۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ فوری طور پر ڈرامے کا خاکہ تیار کر لیے جانے والے یہ برمحل ڈراما کھیل، کوئی بے تکے یا معمولی قسم کے کھیل نہ تھے۔ تجربوں کی روشنی میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں بہتری اور نکھار لانے کے لیے برابر کوششیں ہوتی رہیں۔ ڈراموں کی کہانیوں کے پلاٹ پوری توجہ اور محنت سے ترتیب دیے جاتے اور کہانی میں عوام کے ذوق اور دلچسپی کے مطابق ایسے مناظر سموئے جاتے جن سے ان کی دلکشی بڑھ جاتی، جاذبیت میں اضافہ ہو جاتا۔

'تقریر کھیل' کے خاتمے کے ساتھ ہی الگ الگ گھروں پر جانے کے بجائے 'ڈراما کھیل' کے لیے چونکہ مستقل طور سے چیپلن کا گھر استعمال ہونے لگا تھا، اس لیے ڈراموں میں اس کے مکان کا کُل سامان بلا تکلّف کام میں لایا جانے لگا۔ چارلی چیپلن کے 'ڈائننگ روم' یعنی کھانا کھانے والے کمرے میں ایک بڑا محرابی دروازہ تھا جس سے ہو کر لائبریری میں جایا جا سکتا تھا۔ ڈائننگ روم میں دو دروازے اور بھی تھے جن میں سے ایک باورچی خانے میں کھلتا

www.taemeernews.com

تھا اور دوسرا چھت پر جانے کے لیے تھا۔ محرابی دروازے پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا جسے اوپر نیچے کیا جا سکتا تھا۔ اس طرح پردے کے ذریعے مکان کا وہ تمام حصّہ جو پوری طرح آباد اور ضروری سامان سے بھرا ہوا تھا، بآسانی ایک تھیٹر کی صورت میں تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ ڈراموں میں استعمال کیے جانے والے کپڑوں کا اسٹاک چونکہ بہت محدود تھا اس لیے اتفاق سے اگر کبھی کوئی مہمان گھر میں آجاتا تو چوری چھپے اس کے کپڑوں کا بھی جائزہ لے لیتے اور اگر کچھ کپڑے پسند آجاتے تو خاموشی سے انھیں نکال کر استعمال کرنے کے بعد پھر ان کی اصلی جگہ واپس رکھ دیا جاتا۔ اس چوری کے لیے ڈائننگ ہال کا وہ دروازہ جو چھت پر جانے والے زینے کے لیے کھلتا تھا، استعمال کیا جاتا۔ ڈراموں میں استعمال ہونے والے کپڑوں کا اسٹاک بھی اسی زینے پر رہتا تھا۔ ان کھیلوں میں "میکس ایسٹ مین" اور چارلی چیپلن ہی چونکہ پیش پیش رہتے تھے، اس لیے عموماً یہی دونوں ڈراما کھیل کے لیے اپنی اپنی ٹیمیں منتخب کیا کرتے۔ ٹیموں کا انتخاب ایک دن پہلے ہی کر لیا جاتا اور جن لوگوں کو ٹیموں میں شامل کر لیے جانے کا فیصلہ ہوتا، انھیں رات کے کھانے پر مدعو کر لیا جاتا۔

نئی تبدیلی کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی دلچسپیاں بھی بڑھتی گئیں۔ خود چیپلن کو اس کھیل میں اتنا لطف آنے لگا تھا کہ وہ اس کی خاطر دوسری اہم مصروفیات تک کو ملتوی کر دیتا تھا۔ جس زمانے میں یہ کھیل اپنے عروج پر تھا، ان دنوں چارلی چیپلن کی مشہور فلم دی کِڈ (THE KID) بنائی جا رہی تھی۔ لیکن چارلی چیپلن نے اپنے آپ کو معمّا والے ڈراما کھیل سے اس حد تک وابستہ کر لیا تھا کہ وہ فلم کے لیے کام کرنا بھی بھول جاتا تھا اور یہی انہماک اور دلچسپی اس کھیل کو چھوڑ دینے کا سبب بھی بنی۔ "میکس ایسٹ مین" بتاتے ہیں کہ:

"..... چارلی اور میں تقریباً ہر شام کو ملاقات کرتے اور تقریر والا

www.taemeernews.com

ڈراما کھیل کھیلتے تھے۔ آخر ہمیں معمّا والا یہ کھیل بالکل چھوڑنا پڑا کیونکہ ہم نے دیکھا کہ ہماری پوری قوت رات رات بھر کھیلتے رہنے میں ضائع ہو جاتی تھی اور ہم دونوں میں سے کوئی بھی دن کے وقت کوئی اور کام کرنے کے قابل نہ رہتا تھا"۔

اندازہ یہی ہے کہ ان ڈراما کھیلوں کے تجربوں کی وجہ سے ہی چارلی کے دل میں یہ خیال آیا ہوگا کہ ڈراموں وغیرہ میں کام کرنے والے اداکاروں کے لیے ہر وقت ایسے لباس تیار رکھنا یا ضرورت پڑنے پر انھیں ہاتھوں ہاتھ مہیا کرانا، جو اُن کے جسموں پر بھی صحیح آئیں اور دیے گئے کرداروں کے بھی عین مطابق ہوں، بڑی جھنجھٹ اور قباحت والا کام ہے۔ اور بہت ممکن ہے اسی احساس نے چیپلن کے دل میں یہ خیال ڈالا ہو کہ کم از کم اسے تو اپنے لیے ایسا راستہ اختیار کر لینا چاہیے جس سے وہ سدا کے لیے ایکٹنگ کے دوران الگ الگ پوشاکوں کے استعمال سے بے نیاز ہو جائے، اور وہ جو بھی لباس اپنے لیے منتخب کرے، اس میں نیا پن ہو، اور وہ عام روش سے ہٹ کر ہو جس سے وہ لباس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی شناخت بن جائے۔ یہاں تک کہ اگر فاصلے یا تاریکی کی وجہ سے اس کا چہرہ نظر نہ آ رہا ہو، تب بھی وہ اپنے کپڑوں اور حُلیے کے سبب دور سے ہی پہچان لیا جائے کہ یہ تو چارلی چیپلن ہے۔

اور سچ مچ چیپلن نے جیسا چاہا تھا، ویسا ہی ہوا۔ اس نے اپنے لیے جو لباس منتخب کیا وہ عام روش سے الگ تھا، اس وجہ سے دوسرے لوگ اس کی نقل یا پیروی کی ہمّت نہ کر سکے اور نتیجہ یہی نکلا وہ اپنی مخصوص پوشاک کا بلا شرکتِ غیرے مالک بنا رہا۔ یعنی سر پر ڈربی ہیٹ، گلے میں چوڑی کالے رنگ کی ٹائی۔ فراک نما تنگ کوٹ۔ کوٹ کی آستینیں تنگ اور چھوٹی۔ کوٹ کے بٹن ہمیشہ لگے ہوئے جس سے صاف پتا چلتا ہو کہ اسے زبردستی جسم پر چڑھایا گیا ہے۔ بیگی، یعنی تھیلے نما نہایت ڈھیلی ڈھالی پتلون۔

www.taemeernews.com

پتلون کمر پر اتنی ڈھیلی کہ اسے روکنے کے لیے بچوں کی پینٹ کی طرح کندھوں کے دونوں طرف کراس کرتے ہوئے بند (گیٹس) کے سہارے کی ضرورت پڑے۔ پیروں میں ناپ سے بڑے اور بدنما جوتے۔ صرف اوپری ہونٹ تک محدود بھری بھری مونچھیں۔ ہاتھ میں پرانے وقتوں کی گول دستہ والی چھڑی اور وہ بھی قدرے بَل کھائی ہوئی، اور ان سب کے علاوہ نہایت بے ہنگم چال۔ یعنی چلتے وقت عام انسانوں سے ہٹ کر پیروں کے پنجوں کو کچھ زیادہ ہی پھیلا کر گھسٹ گھسٹ کر چلنا۔ ظاہر ہے اس وضع قطع کے انسان کو دیکھ کر کون ایسا ہوگا جس کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ اور ہنسی نہ آجائے گی اور اگر فلموں میں ایکٹنگ کے دوران پیش کی گئی اُس کی دلفریب شوخیوں، دلچسپ شرارتوں، حماقت آمیز حرکتوں اور اپنی چالاکی و پھرتی سے بڑے بڑوں کو زِچ کر دینے والے کارناموں کو بھی شامل کر لیا جائے تو مجموعی طور پر چارلی چیپلن کی شخصیت ایک ایسے مَن پسند ہیرو کی صورت میں اُبھرے گی جس نے کیا چھوٹے اور کیا بڑے، سبھی کے دلوں میں جگہ بنالی ہو، سبھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے لگے ہوں۔

چارلی چیپلن نے یوں تو افسانے بھی لکھے، ڈرامے بھی لکھے اور فلموں کے لیے کہانیاں بھی لکھیں۔ لیکن شہرت ایک ادیب کی صورت میں نہیں، اداکار کی حیثیت سے ہی پائی۔ کہنے کو تو فلمی اداکار ہزاروں ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے چیپلن ہی کی طرح کافی شہرت اور مقبولیت حاصل کی، مگر چیپلن

www.taemeernews.com

چارلی چیپلن

کی ایک بات ایسی ہے جو اُسے دوسرے ہم پیشہ لوگوں سے ممتاز کرتی اور اس قابل بناتی ہے کہ اسے مثال کے طور پر بیان کیا جائے کہ دیکھو نہایت عُسرت، غریبی اور تنگ دستی کے ماحول میں دن گزارنے والا بچہ کس طرح اپنی محنت، لگن اور بلند عزم و حوصلوں کی بدولت ترقی کی منزلیں طے کرتا ہے اور بالآخر بڑا ہو کر شہرت بھی پاتا ہے، عزت بھی حاصل کرتا ہے اور اتنا پیسا کماتا ہے کہ اچھے اچھے سیٹھ ساہوکار اس کی آمدنی پر رشک کرنے لگتے ہیں۔

چارلی چیپلن ۱۶ اپریل ۱۸۸۹ء کو لندن میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کا نام اسپنسر چیپلن اور والدہ کا نام ہنّا چیپلن تھا۔ یہ دونوں لندن کے ایک میوزک ہال میں موسیقی کے پروگرام پیش کیا کرتے تھے۔

پُرانے زمانے میں ایک عام دستور یہ تھا کہ لوگ اپنی اولاد کو وہی ہنر اور وہی کام سکھانا پسند کرتے تھے جسے وہ خود زندگی بھر کرتے رہے ہوں۔ اس طرح ہوتا یہ تھا کہ لکڑی کا کام کرنے والے کا بیٹا بڑھئی، لوہے کا کام کرنے والے کا بیٹا لُہار، مٹی کے برتن تیار کرنے والے کا بیٹا کُمہار، بال تراشنے اور سنوارنے کا کام کرنے والے کا بیٹا حجام اور موسیقار کا بیٹا موسیقار ہی بنا کرتا۔ اور اس طرح باپ دادا کے پیشے نسل در نسل آگے چلتے جاتے۔ ایسا وہ شاید اس لیے بھی کرتے تھے (اور بہت سے تو اب بھی کرتے ہیں) کہ زندگی بھر ایک جیسا کام کرتے رہنے سے وہ اپنے فن میں طاق ہو جاتے تھے، اور جب کوئی کسی فن میں ماہر ہو جاتا ہے تو وہ کام اس کے لیے بڑا آسان، یا یوں کہیے کہ بائیں ہاتھ کا کھیل بن جاتا ہے۔ اپنے کام میں مہارت کی وجہ سے کوئی دوسرا ہُنر یا پیشہ، وہ چاہے مقابلتاً کتنا ہی آسان اور نفع بخش کیوں نہ ہوتا، احتیاط پسندی کی وجہ سے اسے اپنانے سے گریز کیا جاتا۔ مگر اس عادت کا نتیجہ بہت سے ملکوں میں یہ نکلا کہ لوگوں کے

www.taemeernews.com

پیشے مستقل طور سے ان کی ذات سمجھے جانے لگے اور بجائے اس کے کہ یہ کہا جاتا کہ فلاں شخص یہ کام کرتا ہے، یہ کہا جانے لگا کہ وہ تو ذات کا لُہار، بڑھئی، حجام یا گویّا ہے۔

چارلی چیپلن کے والدین نے بھی رائج دستور کے مطابق اپنے بیٹے کو ہوش سنبھالتے ہی رقص و موسیقی کا فن سکھانا شروع کر دیا۔ 'ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات' والی کہاوت اس ذہین بچے پر صادق آئی۔ اس نے اتنی چھوٹی عمر میں کہ جسے بے فکری سے کھیلنے کودنے والی عمر کہا جاتا ہے، کلوگ ڈانس (CLOG DANCE) نامی ایک مشکل قسم کے رقص میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ دیکھنے والے عَش عَش کر اُٹھتے۔ اس ڈانس کے دوران چکنی لکڑی کے تلے والے سلیپر پہن کر چکنے ہی فرش پر ساز کی آواز کے ساتھ تھرک تھرک کر، اُچھل اُچھل کر، بھاگ بھاگ کر اور کبھی ایک ہی مقام پر لٹو کی طرح تیزی سے چکّر کھا کر رقص پیش کیا جاتا ہے۔ رقص پیش کرنے والا اگر اپنے فن میں طاق نہ ہو تو چکنے فرش پر چکنے جوتوں سے اُچھل کود کرنے پر پھسلنے کا ڈر رہتا ہے جس سے چوٹ لگ سکتی ہے۔ چارلی چیپلن جب پہلی بار اسٹیج پر آیا تو اس نے یہی رقص پیش کیا تھا۔ اس وقت چیپلن کی عمر صرف آٹھ سال تھی اور جس ڈرامے میں اس نے یہ ڈانس پیش کیا، اس کا نام تھا 'EIGHT LANSHIRE LAD' یعنی لینس شائر کے آٹھ چھوکرے (لڑکے)۔

چیپلن ابھی نو سال کا بھی نہ ہوا تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کی ماں پر شوہر کے مرنے کا اتنا گہرا صدمہ ہوا کہ دماغ کا توازن بگڑ گیا۔ اس سنگین بیماری کی وجہ سے چیپلن کی ماں کو متعدد بار دماغی امراض کے اسپتال میں داخل کرنا پڑا۔ کم سنی میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ جانے اور ماں کی طویل بیماری کی وجہ سے چارلی چیپلن کا بچپن بڑا بے لطف اور اُداسیوں و افسردگی

www.taemeernews.com

بھرے ماحول میں گزرا۔ آمدنی کے ذرائع ختم ہوئے تو روٹیوں کے لالے پڑنے لگے۔ ہمدردوں نے مجبوراً یتیم خانے میں داخل کرا دیا۔ اس وقت چارلی کی عمر محض نو سال تھی۔ یتیم خانے میں چیپلن دو سال تک رہا۔ اس دوران ماں کی طبیعت کچھ سُدھری اور وہ کام پر جانے لگی تو بیٹے کو بھی یتیم خانے سے لے آئی اور بہتر تعلیم دلانے کی خاطر اسکول کے ہوسٹل میں داخل کرا دیا۔ مگر ماں کی طبیعت پوری طرح ٹھیک نہ ہوئی تھی۔ طبیعت زیادہ بگڑتی تو ماں پاگل خانے بھیجی جاتی اور بیٹا یتیم خانے۔ طبیعت سنبھلتی تو بیٹا یتیم خانے سے نکال کر پھر اسکول کے ہوسٹل میں بھرتی کرا دیا جاتا۔ اس طرح چیپلن کو کبھی یتیم خانے میں رہنا پڑتا تو کبھی اسکول کے بورڈنگ ہاؤس میں، اور کبھی کبھی تو نوبت یہاں تک پہنچ جاتی کہ نہ تو یتیم خانے میں ٹھکانا ملتا اور نہ ہوسٹل میں، اور غریب چیپلن کو سڑکوں پر راتیں گزارنا پڑ جاتیں۔ اسی طرح تنگی ترشی میں دن بیتتے رہے۔ لوٹ پیٹ کر پڑھائی لکھائی بھی چلتی رہی۔ یہاں تک کہ چیپلن سترہ سال کا ہوگیا۔

چیپلن کا ایک بڑا بھائی تھا۔ نام تھا سِڈنی (SYDNEY)۔ وہ نیویارک (امریکا) کی ایک ایسی کمپنی میں کام کرتا تھا جو لوک رقص اور لوک گیتوں کے تماشے دکھانے کے علاوہ لوگوں کی تفریح کے لیے ہنسی مذاق والے ہلکے پھلکے ڈرامے بھی پیش کیا کرتی تھی۔ سِڈنی نے اپنے چھوٹے بھائی چارلی چیپلن کو بھی 'فریڈ کارنو' نامی اس کمپنی میں، جسے آپ انگلش نوٹنکی کہہ سکتے ہیں، کوشش کر کے ملازمت دلا دی۔ یہ ۱۹۰۶ء کی بات ہے۔ اس وقت چارلی کی عمر سترہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ 'فریڈ کارنو' نامی اس ہفت رنگی کمپنی میں چارلی چیپلن پورے سات سال تک دل لگا کر کام کرتا رہا۔ دراصل اس نے اس عزم کے ساتھ ہی ملازمت شروع کی تھی کہ وہ کبھی محنت سے جی نہ چرائے گا، اور خود اپنی طرف سے اس وقت تک ملازمت نہ چھوڑے گا جب تک کہ وہ اپنے کام میں منجھ نہ جائے

www.taemeernews.com

اور ساتھ ہی پیسے کے اعتبار سے بھی اس قابل نہ ہو جائے کہ زندگی آسودگی کے ساتھ بسر کر سکے۔

چیپلن نے 'فریڈ کارنو' میں سات سال تک کام کرنے کے بعد ۱۹۱۳ء میں اس کمپنی کو خیرباد کہہ دیا۔ ملازمت چھوڑنے کے بعد چند دن کے اندر اندر ہالی وُڈ کی ایک فلم ساز کمپنی 'KEY STONE' (کی اسٹون) نے اپنی متحرک فلموں میں کام کرانے کے لیے چیپلن سے معاہدہ کر لیا۔ یہ فلموں کا ابتدائی دور تھا۔ فلمیں بننا تو شروع ہو گئی تھیں، لیکن اس زمانے کی فلموں میں آواز نہ ہوتی تھی اور صرف کرداروں کی حرکات و سکنات اور مناظر کو بدلتے ہوئے ہی دیکھا جا سکتا تھا۔ ایسی فلموں کو خاموش متحرک فلمیں کہا جاتا ہے۔

چیپلن کے فلمی دنیا میں آنے کا سبب یوں بنا کہ ایک بار 'کی اسٹون کمپنی' کا مالک 'میک سینٹ' (MACK SENNETT) نیویارک کے دورے پر تھا۔ اس نے ایک ڈرامے کے دوران کسی سین میں چیپلن کو اپنے پہلوان نما حریف کے حملوں کو پھُدک پھُدک کر چکمہ دینے اور موقع پاتے ہی تیزی سے گھوم کر اس کے مُنہ پر طمانچہ جڑ دینے کی اداکاری دیکھی جو اُسے بہت بھلی لگی۔ یہ منظر دیکھ کر وہ بے اختیار ہنس پڑا اور چیپلن کی ایکٹنگ اس کے دل میں گھر کر گئی۔ اس نے اسی وقت طے کر لیا کہ وہ چیپلن کو ہر قیمت پر اپنی فلموں میں لانے کی کوشش کرے گا۔ 'میک سینٹ' نے چیپلن سے کہا کہ اگر اس کی فلموں میں کام کرنے پر تیار ہے تو وہ اسے ۱۷۵ ڈالر فی ہفتہ کے حساب سے تنخواہ دے گا۔ چیپلن نے یہ پیش کش منظور کر لی اور اس طرح چیپلن ڈرامے دکھانے والی کمپنی سے نکل کر فلمیں بنانے والی کمپنی میں آ گیا۔ ۱۷۵ ڈالر فی ہفتہ ایک نئے اداکار کے لیے کوئی معمولی رقم نہ تھی۔ اگر آج کے ہندستانی سکّے کے مطابق قیمت نکالی جائے تو وہ تقریباً پانچ ہزار پانچ سو (۵,۵۰۰) روپے بنیں گے اور مہینے بھر کے بیٹھیں گے ۲۲ ہزار روپوں سے بھی زیادہ۔ 'فریڈ کارنو' کی پہلی

www.taemeernews.com

ملازمت اس کی آخری ملازمت ثابت ہوئی، کیونکہ اس کے بعد اس نے جہاں بھی کام کیا وہ ملازمت کے تحت نہیں بلکہ معاہدے کے تحت ہی کیا۔

چیپلن نے 'فریڈ کارنو' کی ملازمت ۱۹۱۳ء میں چھوڑی تھی اور ابھی ۱۹۱۳ء ختم بھی نہ ہوا تھا کہ دسمبر میں اس کی پہلی متحرک خاموش فلم MAKING A LIVING تیار ہوکر منظر عام پر آگئی۔ یہ فلم بہت زیادہ پسند کی گئی اور چارلی چیپلن کا نام فلمی جگت میں ایک اچھے اداکار کی صورت میں ابھرنا شروع ہوگیا۔

چیپلن کی دوسری فلم ۱۹۱۴ء میں تیار ہوئی۔ نام تھا 'KID AUTO RACES AT VENICE' یعنی وینس میں بچوں کی موٹر دوڑ۔ حالانکہ یہ تفریحی فلم بھی پوری محنت، لگن اور دل سوزی سے تیار کی گئی تھی اور چیپلن نے اپنے مخصوص کیرکٹر کے ساتھ اس میں کام کیا تھا، مگر پہلی فلم کی طرح وہ عوام میں مقبول نہ ہوسکی۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی کہ لوگوں نے پہلی بار یہ مشاہدہ کیا کہ کوئی اداکار اپنی دوسری فلم میں بھی، جبکہ کہانی کا پلاٹ پوری طرح بدل گیا تھا، تقریباً اسی لباس اور حلیے میں سامنے آیا جس میں وہ پہلی فلم میں آچکا تھا۔ مگر چیپلن نے لوگوں کے اس اعتراض کی پروانہ کی، کیونکہ وہ تو پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ کوئی ایک لباس کوئی مخصوص حلیہ، کوئی منفرد انداز ایسا اختیار کرے گا جس میں وہ پھر کبھی کوئی تبدیلی نہیں لائے گا۔ اسے پکا یقین تھا کہ لباس کے بارے میں اس نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ درست ہے۔ چارلی چیپلن کا یہ فیصلہ یقیناً درست ثابت ہوا کیونکہ بعد میں لوگوں نے بھی یہ تسلیم کر ہی لیا کہ اگر چیپلن ہر فلم میں نئے نئے روپ، نئی نئی پوشاک اور نئے نئے حلیوں میں آیا ہوتا تو اس کی فلموں میں وہ دلکشی ہرگز نہ ہوتی جو زمانہ بیت جانے کے باوجود آج تک باقی چلی آرہی ہے۔

چارلی چیپلن نے اگرچہ اپنی پہلی دو فلموں میں بھی بڑی حد تک لباس

www.taemeernews.com

میں یکسانیت رکھی تھی، لیکن تھوڑی تبدیلی کے بعد جو لباس اس کی شناخت بنا یعنی وہی لباس جس میں سر سے پیر تک انوکھی وضع قطع کے علاوہ اس کے چلنے کا مخصوص انداز بھی شامل ہے، پہلی بار اس کی فلم 'دی ٹریمپ، (THE TRAMP) میں اختیار کیا گیا تھا۔ یہ فلم ۱۹۱۵ء میں بنائی گئی تھی۔ اس کے بعد تو چیپلن کی جو بھی فلم آئی، ہر ایک میں وہ اسی نرالی وضع قطع میں آیا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی شناخت بن گیا۔ کہتے ہیں کہ چارلی چیپلن کی ابتدائی فلموں میں یہی فلم سب سے زیادہ پسند بھی کی گئی تھی۔

سبھی جانتے ہیں کہ چارلی چیپلن کا فیصلہ صحیح تھا، کیونکہ اس کی مقبولیت میں اس کی ایکٹنگ کے ساتھ ساتھ اس کے اپنے منفرد و مخصوص حلیے کو بھی بڑا دخل رہا ہے۔ متحرک خاموش فلموں میں کام شروع کرنے کے دو سال کے اندر اندر وہ ملک بھر میں سب سے زیادہ مقبول و معروف شخصیت بن چکا تھا اور ۱۹۲۰ء کے اوائل تک، جب تک کہ خاموش فلموں کا چلن رہا چیپلن کی مقبولیت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اس کی فلمیں دیکھنے والے پروانوں کی طرح دیوانہ وار ٹوٹے پڑتے تھے۔ اس کی فلموں کو دیکھنے والوں کی ہر شو میں اتنی بھیڑ جمع ہو جاتی تھی کہ بڑے سے بڑے تھیٹر اور سینما گھر چھوٹے پڑنے لگے تھے۔

اگرچہ ۱۹۲۰ء میں بولنے والی فلموں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور اس طرح کی دو ایک فلموں میں اس نے کام بھی کیا تھا، مگر چارلی چیپلن کو تمام تر شہرت خاموش فلموں کی بدولت ہی نصیب ہوئی اور ابتدائی دور کے کام نے ہی چھوٹے قد والے، سادہ مزاج اور صرف ایک جیسے رول میں آنے والے اس فلمی اداکار کو اس قابل بنا دیا کہ وہ شہرت اور مقبولیت کے اُفق پر چاند بن کر چمکا اور اس میدان میں سبھی کو پیچھے چھوڑتا چلا گیا۔ وہ محض چند برسوں کی چھوٹی سی مدّت میں اپنی منفرد شخصیت اور دلفریب اداکاری کے بل بوتے پر

www.taemeernews.com

لتنے زیادہ لوگوں، اتنی زیادہ قوموں اور اتنے زیادہ ملکوں کے ہر انسانی طبقہ میں مشہور اور محبوب بن چکا تھا کہ اس کی سی شہرت اور ہر دلعزیزی عظیم مذہبی شخصیتوں اور بڑے سیاسی رہنماؤں سمیت کسی اور کو نصیب نہ ہوئی۔ دراصل مقبولیت کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ جس زمانے میں چیپلن پیدا ہوا اور پروان چڑھا، وہ زمانہ اور وہ دور بدلتے ہوئے اس عوامی مذاق کے عین مطابق تھا جو اس نے ڈراموں اور فلموں کے ذریعے فراہم کیا اور یہی وجہ ہے کہ لوگ ان سے محظوظ ہوتے تھے اور مزاح سے بھرپور اس کی فلمیں دیکھ کر ابتدا سے ہی ایسے تجسس آمیز ماحول میں گم ہو جاتے تھے جو سرور آمیز بھی ہوتا تھا اور نشاط انگیز بھی۔ اس طرح چیپلن کی مقبولیت میں برابر اضافہ ہوتا گیا اور شہرت کو چار چاند لگتے گئے۔

۱۹۱۴ء میں جب چیپلن پہلی بار فلمی دنیا میں داخل ہوا تو وہ ایک ایسا ناتجربہ کار اناڑی نوجوان تھا جسے فلمی جگت کی الف ب بھی نہ آتی تھی۔ مگر اس نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنے نرم رویّے، بلکہ کسی حد تک عاجزانہ برتاؤ سے ہر شخص کو حیرت زدہ کر کے اپنا گرویدہ بنا لیا، اور اپنی صلاحیتوں، حوصلوں اور کچھ کر دکھانے کی اُمنگ کے بَل پر وہاں پہنچنے کے صرف دو ماہ بعد ہی خاموش اور پُرسکون رہنے والا یہ اطاعت گزار شخص وہاں کا سردار بن بیٹھا، اور ہر اس فلم کا ہدایت کار (ڈائریکٹر) بھی بننے لگا جس میں وہ خود بھی اداکار کی حیثیت سے شامل رہتا تھا، اور چھے مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ اس نے کسی جارحیت یا زور زبردستی کے بغیر تفریح کے سامان فراہم کرنے والی فلموں کی ہیئت اور نوعیّت ہی بدل ڈالی۔

چیپلن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ایکٹنگ کے دوران ڈائرکٹر کی ہدایتوں پر پوری طرح عمل نہ کرتا تھا، بلکہ ہر فلم میں اپنی ذہنی اُپج سے کام لیتے ہوئے کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور کر ڈالتا تھا جو نہ تو کہانی میں ہوتی

www.taemeernews.com

تھی اور نہ ہی ڈائرکٹر نے اس کی ہدایت کی ہوتی۔ چیپلن کی ان حرکتوں کو اس کے فلمی ساتھی حماقتوں پر محمول کرتے لیکن جب پردوں پر ان کی نمایش کے بعد پسندیدگی کی خوش کن خبریں آنا شروع ہوتیں تب لوگوں کی آنکھیں کھلتیں کہ اگر چیپلن سے 'حماقتیں' سرزد نہ ہوئی ہوتیں تو بہت ممکن تھا کہ سینما گھروں سے شاندار خبروں کی جگہ کچھ دوسری ہی خبریں سننا پڑ جاتیں۔ چیپلن کی ذہانت اور صلاحیتوں سے متاثر ہوکر، لیکن بظاہر اس کی ان حرکتوں سے تنگ آکر مُیک سینٹ، نے ایک پکچر کی ہدایت کاری کی ذمّے داری چیپلن کے سپرد کردی اور اجازت دے دی کہ وہ جس طرح چاہے اس فلم کو بنائے۔ ایسا کرتے وقت شاید اس کے دل میں یہ خیال رہا ہوگا کہ جب کندھوں پر ذمّے داری آئے گی تو بچّہ جی کو خود ہی پتا چل جائے گا کہ فلموں کی ہدایت کاری کوئی خالہ بی کا گھر نہیں ہے۔ مگر اس نام نہاد 'بے وقوف' نے اتنی خوبی سے اس فرض کو نبھایا کہ آئندہ جب اسے دوسری کمپنیوں میں کام کرنے کا موقع ملا تو انھوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اداکاری کے ساتھ ساتھ چیپلن کے کندھوں پر ہدایت کاری کی ذمے داری بھی ڈال دی جائے۔

جہاں تک آمدنی کا سوال ہے، چارلی چیپلن نے اداکاری کے ذریعے بھرپور کمائی کی۔ مُیک سینٹ، کے اسٹوڈیو میں کام کرنے پر اسے ۷۵ ڈالر فی ہفتہ ملتے تھے۔ جب مُیک، سے کیا گیا معاہدہ ختم ہونے لگا تو ایک اور فلم ساز ایسینے، (ESSENAY) نے اپنی فلموں میں کام کرانے کے لیے چیپلن کو تین ہزار ڈالر فی ہفتہ دینے کی پیش کش کی۔ یعنی تقریباً ۹۳ ہزار روپے فی ہفتہ یا ایک مہینے میں تین لاکھ ۷۲ ہزار روپے سے بھی زیادہ کی موٹی رقم۔

اس نئی پیش کش کے بعد چارلی چیپلن، مُیک سینٹ، کے پاس گیا اور بتایا کہ ایسینے اس معاوضہ پر اسے اپنے یہاں بلا رہا ہے۔ چیپلن نے کہا کہ

www.taemeernews.com

اگر آپ مجھے ۱۷۵ ڈالر کی بجائے صرف ایک ہزار ڈالر فی ہفتہ دینا منظور کریں تو میں آپ کے ہاں مزید وقت کے لیے رُک سکتا ہوں۔ مگر میک سینٹ نے چیپلن کو جواب دیا کہ اگر وہ آئندہ تین برس تک اور میرے پاس کام کرنے کا معاہدہ کرے تو وہ اسے پہلے سال کے دوران ۵۰۰ ڈالر فی ہفتہ، دوسرے سال میں ایک ہزار ڈالر فی ہفتہ اور صرف تیسرے سال کے دوران ہی اُسے تین ہزار ڈالر فی ہفتہ دے سکے گا۔

چیپلن نے اس بات چیت کا ذکر کرتے ہوئے کچھ دن بعد اپنے دوست سے کہا تھا: "مجھے معلوم تھا کہ میں عوام میں مقبول ہوگیا ہوں۔ تھیٹروں سے باہر سڑک پر میں نے لوگوں کے ہجوم دیکھے تھے لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ اس طرح کی مقبولیت کتنی عارضی ہوتی ہے۔ مجھے بچپن سے ہی اس بات کا تجربہ تھا کہ تفریح بہم پہنچانے والے پیشے میں بے یقینیاں ہمیشہ اپنے پَر پھیلائے رہتی ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ اپنی مقبولیت کے چشمے خشک ہونے سے پہلے، جتنا بھی فائدہ حاصل کرسکتا ہوں، کرلوں میں نے میک سینٹ سے کہا کہ اگر آپ اپنی پیش کش کو اُلٹ دیں، یعنی مجھے تین ہزار ڈالر فی ہفتہ پہلے سال دیں، ایک ہزار ڈالر فی ہفتہ دوسرے سال، اور ۵۰۰ ڈالر فی ہفتہ تیسرے سال دیں، تو میں آپ کے ہاں ٹھہرا رہوں گا۔ اس پر سینٹ نے کہا کہ یہ ایک احمقانہ خیال ہے اور وہ ہرگز ایسے معاہدے پر دستخط نہیں کرے گا۔" غرض دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کی تجویز قبول نہ کی اور اس طرح چیپلن نے میک سینٹ کو چھوڑ کر ۱۹۱۵ء میں ایسینے سے اس کی فلموں میں تین ہزار ڈالر فی ہفتہ کی اُجرت پر کام کرنے کے لیے معاہدہ کرلیا۔ یہ معاہدہ ایک سال کے لیے ہوا تھا۔ معاہدے کی مدت پوری ہوجانے پر ۱۹۱۶ء میں فلمیں بنانے والی ایک اور کمپنی میوچیوَل (MUTUAL) نے اور زیادہ دام لگاکر چیپلن کو اپنے ہاں کھینچ لیا۔ اس نے

www.taemeernews.com

چیپلن کو دس ہزار ڈالر فی ہفتہ دینے کا معاہدہ کیا اور مزید ڈیڑھ لاکھ ڈالر بطور بونس اس لیے دیے کہ وہ اس کی فلموں میں کام کرنے کے معاہدے پر دستخط کر رہا ہے۔ یوں سمجھیے کہ آج کی ہندستانی کرنسی کے مطابق تقریباً تین لاکھ دس ہزار روپے فی ہفتہ کی اجرت طے پائی اور ۴۶ لاکھ ۵۰ ہزار روپے کے بقدر موٹی رقم معاہدے پر دستخط کرنے کے عوض ہاتھ آئی۔ یہ معاہدہ بھی ایک سال کے لیے ہوا تھا۔ سال بہ سال چارلی چیپلن کی قیمت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ میوچوَل کے ساتھ کیے گئے معاہدے کی مدّت پوری ہونی تو ۱۹۱۷ء میں 'فرسٹ نیشنل' (FIRST NATIONAL) کمپنی نے دانہ ڈالا اور اپنی آٹھ فلموں میں کام کرنے کے لیے چارلی چیپلن کو دس لاکھ ڈالر (تقریباً تین کروڑ دس لاکھ روپے) دے ڈالے۔

'میک سینٹ' سے دوسری بار معاملہ طے نہ ہو سکنے کی بابت بیان کرتے ہوئے چارلی چیپلن نے جو یہ کہا تھا کہ لوگوں کو تفریح فراہم کرنے والے پیشے پر بے یقینیاں سایہ کیے رہتی ہیں اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اپنی مقبولیت کے کم ہونے سے پہلے پہلے فائدہ اٹھا لے تو اس قول کی روشنی میں، نیز نئی نئی کمپنیوں سے معاہدے کر کے ہر بار پہلے کے مقابلے کہیں زیادہ موٹی رقمیں وصول کرنے کی تفصیلات پڑھ کر یہ سمجھ لینا غلط ہوگا کہ چیپلن کو پیسے کی ہوس تھی اور وہ صرف اسی فکر میں رہتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ کمائی کر لے۔

اس بات کے ثبوت میں اس واقعے کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے جب چیپلن نے ایک بہت بڑی رقم ہاتھ لگنے کے سودے کو محض اس لیے ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ اس سے لوگوں کے دلوں میں گھر کی ہوئی اس کی پُروقار شبیہہ اور امیج کے خراب ہو جانے کا امکان تھا۔

'میکس ایسٹ مین' اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں:

www.taemeernews.com

"میں ایک صبح چیپلن کے گھر گیا۔ میں نے دیکھا کہ خاصا دن چڑھ جانے کے باوجود وہ اپنے کمرے میں بدستور بستر پر آرام کر رہا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر ناقابل بیان رنج و غم کے آثار تھے یا ہو سکتا ہے کہ اس وقت مجھے دیکھ کر پیدا کر لیے گئے ہوں۔ ٹھیک اس طرح کی حزن و ملال کی کیفیت جو کسی کے چہرے پر تھیٹر یا فلموں کے پردے پر دکھائی دے تو ناظرین کو ضرور دل شکستہ اور غم زدہ کر ڈالے۔

میں نے دریافت کیا، چارلی! کیا معاملہ ہے۔ تم اتنے اداس کیوں ہو؟ میرے سوال پر اس نے بستر کے قریب رکھی ہوئی میز سے کاغذ کے ایک پرزے کو اٹھاتے ہوئے کہا: "اس کو دیکھو"

میں نے اس کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا اور پڑھا۔ وہ اس کے ملازم سکریٹری کا لکھا ہوا تھا: "... فلاں کمپنی نے آپ کو پندرہ منٹ کی پچیس نشریات کے لیے آٹھ لاکھ ستتر ہزار ڈالر (لگ بھگ دو کروڑ ۷۱ لاکھ ۸۷ ہزار روپے) کی پیش کش کی ہے۔"

میں ہنسنے لگا اور خیال کیا کہ اس کا اداس شکل بنانا محض ایکٹنگ اور مذاق ہے۔ لیکن حقیقت اس خیال کے برعکس تھی۔ وہ واقعی اداس تھا۔ اس نے کہا: "آپ جانتے ہیں کہ میں یہ نہیں کر سکوں گا۔" اور پھر اور زیادہ مغموم لہجے میں کہا، "مجھے پیسے کی ضرورت ہے، گورنمنٹ نے حال ہی میں مجھ سے انکم ٹیکس کے نام پر دس لاکھ ڈالر (تقریباً تین کروڑ، دس لاکھ ہندستانی روپے) ہتھیا لیے ہیں۔"

میں نے کہا: "تم اس پیش کش کو منظور کیوں نہیں کر لیتے۔ تم تو آسانی سے تقریر کر سکتے ہو،" اس نے جواب دیا، "نہیں، یہ بات نہیں ہے تم جانتے ہو کہ مجھے تقریر کرنا کتنا پسند ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں اپنے مداحوں سے اتنا قریب نہیں ہو سکتا کہ ان کی نظروں میں میری اہمیت ہی باقی نہ رہے۔

www.taemeernews.com

مجھے ان سے کسی قدر فاصلہ رکھ کر پُراسرار رہنا پڑتا ہے۔ وہ رومانی انداز میں میرا تصوّر کرتے ہیں۔ اگر میں اپنی اصل حیثیت میں اور وہ بھی عام لوگوں کے انداز میں ریڈیو پر اپنے کو پیش کروں تو تھیٹروں کے 'بوکس آفس' میں میری اہمیت ختم ہوکر دوسرے اداکاروں جیسی رہ جائے گی اور یہ نقصان اس رقم کے مقابلے میں میرے نزدیک کہیں زیادہ ہوگا جو مجھے ۲۵ ریڈیائی تقریروں کے ذریعے حاصل ہوتی۔"

کہتے ہیں کہ فلمی دنیا میں اداکاروں کی طرف سے لاکھوں روپوں کے سودے ہونا ایک عام بات ہے۔ مگر پھر بھی، ذرا ذرا سی دیر کام کرنے کے عوض کسی کو لاکھوں کروڑوں مل جانے کی بات سُن کر ایک عام آدمی کو حیرت تو ہوگی ہی۔ چارلی چیپلن نے فلموں میں کام کرنے کے لیے جو موٹی موٹی رقمیں وصول کیں تو اس میں زور زبردستی یا بلیک میلنگ والی بات ہرگز نہیں تھی۔ فلم تیار کرانے والے (پروڈیوسر) تو خود خوشی خوشی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر چیپلن کے دام لگا رہے تھے۔ در اصل وہ انتہائی زیرک اور ہوشیار بزنس مین، یعنی کاروباری آدمی تھے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ اونچے معاوضے پر چارلی چیپلن سے کام کرانا کسی بھی حالت میں گھاٹے کا سودا نہیں رہے گا۔ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ لوگ چیپلن کے دیوانے ہو رہے ہیں، اس لیے جیسے ہی اس کی فلم بن کر بازار میں آئے گی تو وہ اس سے کہیں زیادہ پیسے دے جائے گی جتنے اس کے بنانے پر خرچ کیے ہوں گے۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ۱۹۱۷ء میں، فرسٹ نیشنل، کمپنی نے اپنی آٹھ فلمیں بنانے کے لیے چیپلن کو دس لاکھ ڈالر دیے تھے۔ ان آٹھ فلموں کے تیار ہونے میں کچھ کم دو سال کا عرصہ لگا۔ معاہدہ ختم ہو جانے پر چارلی چیپلن نے ۱۹۱۸ء میں اس وقت کے دو اور شہرت یافتہ اداکاروں میری پک فورڈ (MARY PICKFORD) اور ڈگلس فیربینکس (DOUGLAS FAIRBANKS)

www.taemeernews.com

کے علاوہ مشہور فلم ڈائرکٹر ڈبلیو۔ ڈی۔ گرفتھ (W.D. GRIFFTH) کے ساتھ مل کر فلمیں بنانے والی ایک نئی کمپنی بنالی۔ کمپنی کا نام رکھا گیا یونائیٹڈ آرٹسٹس (UNITED ARTISTS) ان چاروں فن کار ممبروں کو متعدد فلموں میں ایک ساتھ کام کرنے اور کام لینے کا موقع مل چکا تھا، اس لیے وہ سب ایک دوسرے کے مزاج اور عادتوں سے واقف اور صلاحیتوں سے باخبر تھے۔ اس اتحاد نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور جلدی جلدی نئی نئی فلمیں بن کر عوام میں مقبول ہوتی گئیں۔ ان لوگوں کی لگن اور حیرت انگیز حد تک کام کو تیزی سے نپٹانے کی عادت کا اندازہ اس بات سے لگ سکتا ہے کہ بعض اوقات صرف ایک ہفتہ کے اندر اندر پوری فلم کی شوٹنگ مکمل کر لی جاتی تھی۔ اس نئی کمپنی کو قائم کرنے میں بھی چارلی چیپلن کی طرف سے کی گئی پہل اور کوششوں کو ہی دخل تھا۔ الگ کمپنی بنانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اُن دنوں ہالی وُڈ میں بڑے بڑے اسٹوڈیو نہ تھے اور ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہ رہا تھا کہ چیپلن کی خداداد صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کر سکے۔ چیپلن نے جب دیکھا کہ اس کی فرمائشوں کے مطابق سامان اور جگہ مہیا کرنے میں تکلف ہونے لگا ہے تو اس نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنے معتبر ساتھیوں کو ملا کر وہ آزادانہ طور سے فلمیں بنانا شروع کر دے۔ اس طرح ۱۹۱۸ء کے بعد اس کی جتنی بھی فلمیں آئیں اُن سب کی کہانیاں اسی نے لکھیں، ان کے بنانے پر پیسا بھی خود ہی لگایا۔ ہدایت کاری بھی خود ہی انجام دی اور بحیثیت اداکار بھی ان میں کام کیا۔

چارلی چیپلن کو فلمی دنیا میں جو زبردست کامیابی ملی، وہ اس لیے نہ تھی کہ اس کی فلموں کے عنوانات پُرکشش ہوتے تھے۔ نہ یہ وجہ رہی کہ جن فلموں میں اس نے کام کیا ان کی کہانیاں بامعنی اور پلاٹ جاندار تھے بلکہ درحقیقت یہ کامیابی خود چیپلن کی اپنی شخصیت اور فلموں میں نمایاں واہم

www.taemeernews.com

رول ملنے کے علاوہ اس کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے اداکاروں مثلاً پک فورڈ، فیربینکس اور دوسرے ساتھیوں کی وجہ سے بھی حاصل ہوئی جو اپنی اداکاری کے ذریعے کسی بھی کہانی کو دلچسپ اور پُرکشش بنا دیتے تھے۔ یہ لوگ اپنے فن میں اتنے طاق ہو گئے تھے کہ دیکھنے والوں کو بناوٹ پر حقیقت کا گمان کرا دیتے تھے۔ اور اپنی آواز نہ سنا سکنے کی مجبوری کے باوجود اتنی کامیاب اداکاری یا ایکٹنگ کرتے تھے کہ ان کے چہروں کی بدلتی کیفیات اور جسموں کی حرکات و سکنات، ایک طرح ان سبھی کے زبان لگ جاتی تھی اور کہانی کا منظر و پس منظر، غرض ایک ایک بات دیکھنے والوں کی سمجھ میں آتی چلی جاتی تھی اور ناظرین انھیں دیکھ کر اتنا ہی لطف اندوز اور محظوظ ہوتے تھے جتنا ان فلموں کے آواز والی فلمیں ہونے پر ہوتے ہیں۔

یہ بات اکثر دیکھی گئی ہے کہ انسان اپنے بچپن میں جن حالات سے دو چار رہا ہو، شعوری یا لاشعوری طور پر اس کا کچھ نہ کچھ عکس، کچھ نہ کچھ اثرات بعد کی زندگی میں بھی دکھائی دے جاتے ہیں۔ خاص طور سے بچپن کے تکلیف دہ تجربات انسان کے اعصاب پر ایسے گہرے نقش چھوڑ جاتے ہیں جو جذبات کے بہنے کے لیے ایک طرح نالیوں کا کام دیتے ہیں اور عقل کچھ بھی کہے، جذبات انہی تنگ نالیوں میں بہتے رہتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی بات چارلی چیپلن کی زندگی میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ چیپلن کا بچپن چونکہ تنگ دستی کے ماحول میں گزرا تھا، اس لیے بعد کی زندگی میں وہ پیسا بٹورنے میں تو پیش پیش نظر آتا ہے، لیکن اسی تناسب سے بے دھڑک پیسا خرچ کرتے ہوئے دکھائی نہیں دیا۔ چارلی چیپلن کے ڈراما کھیل کے ساتھی اور دوست، میکس ایسٹ مین، احتیاط اور کفایت شعاری سے خرچ کرنے کی اس کی عادت کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں:

www.taemeernews.com

"...... ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ چارلی چیپلن کسی کام سے نیویارک آیا ہوا تھا۔ اسی زمانے میں ہمارا اکاؤنٹنٹ تین ہزار ڈالر کی رقم الماری سے لے کر بھاگ گیا۔ اس حادثے پر عزیزوں اور دوستوں سمیت ہر طرف سے زبانی اظہار ہمدردی کیا گیا۔ لیکن صرف چارلی نے وہ بات کہی جو مجھے ایسے موقع پر کسی قدر معقول اور مناسب معلوم ہوئی۔ اس نے کہا: "میں پوری رقم تو آپ کے لیے مہیا نہیں کر سکتا، لیکن ایک ہزار ڈالر دے سکتا ہوں۔"
آپ دیکھتے ہیں کہ وہ کنجوس نہیں ہے وہ بہت زیادہ دور اندیش ہے۔ وہ سرمایہ کے لیے فکر مند رہتا ہے۔ وہ مجھے تین ہزار یا دس لاکھ بھی دے سکتا تھا۔ لیکن وہ ایسا کر نہیں سکتا تھا کیوں کہ وہ ہر وقت افلاس کے خوف اور اندیشوں میں مبتلا رہتا تھا۔ اس نے افلاس کی خوفناک مصیبت میں پرورش پائی تھی۔ جب وہ نو سال کا تھا تو اسے دو سال تک یتیم خانے میں رہنا پڑا تھا۔ چارلی شاید اسی خوف میں مبتلا رہتا تھا کہ کہیں پھر اسے یتیم خانے جیسے حالات میں نہ رہنا پڑ جائے۔"

ایسٹ مین ایک اور واقعہ بتاتے ہیں:

"...... میں نے ایک مرتبہ اسمتھ ایونیو، میں واقع اس کے مکان پر ایک مہینہ بڑے عیش و آرام سے گزارا۔ چارلی چیپلن نے مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ میری خوب خاطر مدارات ہوئیں۔ مگر ایک بات مجھے کچھ عجیب سی لگی۔ ہر صبح جب کافی (COFFEE) پیش ہوتی تو وہ کپ (پیالی) کی بجائے دو دستہ والے چوڑے منہ کے شوربہ والے بادیوں میں ہوتی جن کا ایک دستہ یا کنڈا ٹوٹا ہوا ہوتا تھا۔ ایک کنڈا ٹوٹا ہونے کی وجہ سے وہ ایک چوڑے منہ والی چائے کی پیالی کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ یہ صورتِ حال بیورلی ہلز، (BEVERLY HILLS) کی فلمی دنیا کے لکھ پتی لوگوں کی زندگی کی عام روش کے مطابق ہرگز نہ تھی۔ اور تب مجھے یاد آتا کہ یہ چیپلن

www.taemeernews.com

کا گھر ہے۔ اس چھوٹے لڑکے کا گھر جو کبھی لندن کی غریبوں کی مشہور بستی ، ایسٹ اینڈ، میں رہا کرتا تھا۔ ٹھیک اسی طرح کا بے یار و مددگار لڑکا جسے آپ نے کبھی کسی فلم کے پردے پر یہ کردار ادا کرتے ہوئے دیکھا بھی ہو، وہی لڑکا جو پیسا خرچ کرنے کے معاملے میں کنجوسی کی حد تک نہایت احتیاط سے کام لیتا تھا۔"

اسی ضمن میں، ایسٹ مین، چارلی چیپلن سے اپنی ایک اور ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں :

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک اور صفت جس کو میں نے بہت جلد سمجھ لیا، وہ چارلی کا روپیہ جمع کرنے کا جنون تھا۔ میں اپنے مغرب کے ایک سفر کے دوران اپنی میگزین کے لیے پیسا جمع کرنے کی مہم پر نکلا تھا۔ اس مقصد کے لیے میں نے ایک جلسے میں تقریر کی۔ تقریر ختم کر کے باہر آیا تو چیپلن سے میری ملاقات ہوگئی۔ اس نے بڑی فراخ دلی سے میری تقریر کی تعریف کی۔ تعریف سن کر مجھے امید ہوئی کہ ایسی ہی فراخ دلی کا اظہار وہ اس اپیل پر بھی کرے گا جو چندہ دینے کے لیے میری تقریر کے فوراً بعد میرے ہم سفر ساتھی کی طرف سے کی گئی تھی۔ تقریر کی تعریف کرنے کے بعد اس نے اپنی طرف سے خود ہی مدد کرنے کی پیش کش بھی کر ڈالی۔ اس نے کہا، میں مدد کرنا چاہتا ہوں" اور یہ چھوٹا جملہ اس نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ اس کے بعد نہایت اطمینان سے جیب میں ہاتھ ڈال کر پچیس ڈالر میری طرف بڑھا دیے۔ اگر چیپلن نے یہ کہا ہوتا کہ وہ کوئی مدد نہیں کر سکے گا اور ایسا کہنے کے بعد پچیس ڈالر تھمائے ہوتے تو مجھے ذرا بھی حیرانی نہ ہوئی ہوتی۔ میں اپنے مالدار دوستوں کو سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کو دور کرنے، نیز معاشی اصلاح کے سلسلے میں اکثر مشورے دیتا رہتا تھا کہ وہ آگے آئیں اور جو کچھ بھی مدد کر سکتے ہیں، کریں۔ میں اس بات سے بھی واقف تھا کہ چیپلن کو بھی عوامی اصلاحات کے موضوع

www.taemeernews.com

پر گفتگو کرنا بہت پسند ہے۔ اس کے باوجود چیپلن کے اس وقت کے رویّے کو دیکھتے ہوئے میں نے طے کر لیا کہ آئندہ کبھی اسے ایسے کاموں میں شرکت کی دعوت نہیں دوں گا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ وہ محض زبانی جمع خرچ ہی کیا کرتا ہے۔"

شہرۂ آفاق کامیڈین چارلی چیپلن نے اپنی اس عادت کے بارے میں، جس پر اکثر انگلیاں بھی اُٹھ جاتی تھیں، خود ہی کہا بھی تھا۔

"۔۔۔۔۔۔۔ میں مزدوروں کا طرف دار ہوں۔ میں ان کے حق میں لڑنا بھی جانتا ہوں، لیکن وہ مجھ سے مورچے پر پہنچنے کی توقع نہیں کر سکتے۔ میں کوئی ہیرو نہیں ہوں۔ دراصل میں ایسے موقعوں پر ہمیشہ یہی سوچا کرتا ہوں کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ اور اس کے جواب میں مستقبل کی جو تصویر میرے تخیّل کے پردے پر اُبھرتی ہے، وہ مجھے ہیرو بننے کے لیے آگے بڑھنے سے روک دیتی ہے۔"

جیسا کہ پہلے کہا گیا، چارلی چیپلن کا اپنے پیسے سے لطف نہ اٹھانے کا عیب خالصتاً اس کے بچپن کی محرومیوں کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ وہ ایک فلم اسٹوڈیو چلاتے کے کثیر اخراجات کے تصوّر سے اتنا دبا ہوا تھا کہ ضرورت سے کہیں زیادہ آمدنی کے باوجود جو اُسے فلموں وغیرہ سے حاصل ہوتی تھی، وہ ہمیشہ اپنے آپ کو کم استطاعت اور ضرورت مند خیال کیا کرتا تھا، بلا شبہہ اسے یکایک بے حساب دولت حاصل ہونا شروع ہو گئی تھی مگر بچپن کے تاثرات اسے کسی کو روپیہ دینے، رکھنے یا خرچ کرنے میں کوئی لطف نہ دینے تھے۔ یہ بھی نہ تھا کہ پیسا خرچ کر کے وہ افسوس یا جمع کر کے خوشی محسوس کرتا ہو۔ پیسے کے معاملے میں وہ خوشی اور افسوس ہر دو احساسات سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ البتہ یہ فائدہ ضرور ہوا تھا کہ اس عادت کی بدولت کم از کم عام لوگوں سے چیپلن کا تعلق بحال اور برقرار رہا تھا، ورنہ عموماً پیسا

www.taemeernews.com

آجانے پر عام لوگوں سے تعلق منقطع سا ہوجایا کرتا ہے۔

فلموں میں بظاہر بے ہنگم اور اوٹ پٹانگ قسم کا نظر آنے والا چارلی چیپلن حقیقتاً کوئی بدوضع یا خراب ڈیل ڈول والا انسان نہ تھا۔ اس کا قد نسبتاً چھوٹا ضرور تھا لیکن قد کی مناسبت سے وہ متوازن اعضا والا ایک خوبرو اور جاذبِ نظر نوجوان تھا۔ اس کی آنکھیں گہرے نیلے رنگ کی تھیں جو کیمرے کے لیے بہترین سمجھی جاتی ہیں۔ چہرے سے ایمان داری اور عزم کی پختگی جھلکتی تھی۔ بے شک اس کے چہرے کا نچلا حصّہ اتنا شاندار نہیں تھا جتنا اس کی پیشانی اور آنکھیں۔ پھر بھی اس کے بدن کی ساخت اور چلنے کا خوشنما مستانہ انداز مجموعی طور پر اس کے خوبصورت ہونے کا احساس دلاتا تھا۔

چہرے کی بناوٹ اور آنکھوں کا رنگ دیکھ کر بہت سے لوگ دوسرے کے بارے میں بڑی حد تک صحیح اندازے لگا سکنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن کم از کم چارلی چیپلن کے بارے میں تو اچھے سے اچھے چہرہ شناس ضرور فیل ہو جاتے۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر پہلے ہی یہ اندازہ ہوتا ہو کہ وہ ایماندار اور پختہ ارادے والا انسان ہے، لیکن اس کا یہی بھولا بھالا چہرہ عملی زندگی میں لوگوں کو اتنی خوبی سے اُلّو بنا دیتا تھا کہ اُنھیں شبہہ بھی نہ ہو پاتا کہ ان کے ساتھ جھوٹ بولا جا رہا ہے۔ دراصل وہ ایک اداکار تھا۔ پیدائشی اداکار۔ اتنا مکمّل اور پکّا اداکار کہ اگر کسی نے اس کی جادوئی گفتگو سے متاثر ہو کر کسی بات یا وعدے پر کوئی امید قائم کر لی تو جلد یا بہ دیر اس امید کو وہ ہوا میں ہی معلّق پائے گا۔ یہ بات ان ہزاروں آدمیوں نے بھی کہی ہے جنھیں چارلی چیپلن کے ساتھ کام کرنے یا برتنے کا موقع ملا ہے یا تقریباً ہر اس آدمی نے جسے کبھی کوئی پُر لطف شام چارلی کے ساتھ گزارنے کی سعادت مل گئی ہو۔ وہ بڑے فخر سے کہتے: "اوہ! میں چارلی کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہم آپس میں گہرے دوست ہیں۔ وہ تو کل میرے مکان پر کھانا بھی کھائے گا

www.taemeernews.com

آپ بھی کیوں نہ آجائیں۔ کھانے میں بھی شریک ہوں اور اس سے ملاقات بھی کرلیں"
یہ بات فخریہ انداز میں بہت سے دوستوں اور رشتہ داروں سے کہی جاتی۔ بتائے
ہوئے وقت پر دوست اور رشتہ دار آتے۔ اور چارلی سے ملانے کے لیے
اپنے ساتھ دوسرے دوستوں اور عزیزوں کو بھی لے آتے۔ کھانے کا انتظام
ایک بڑی دعوت کے طور پر کیا جاتا۔ کھانے کا وقت ہوجاتا۔ انتظار کی گھڑیاں
لمبی ہوتی جاتیں۔ تعجب، بے صبری، سراسیمگی، کوفت، خفت، مایوسی کے سایے
گہرے ہوتے جاتے، لیکن چارلی کو نہ آنا تھا اور نہ آتا اور مزے کی بات یہ کہ
چارلی کی طرف سے بعد میں ملاقات ہونے پر اس مسئلے پر سرے سے کوئی بات
بھی نہ کی جاتی۔

کچھ ایسے ہی تجربوں سے دوچار ہوکر لوگوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا تھا
کہ چیپلن کے ذہن اور کردار میں یکسانیت نہیں ہے۔ اسی لیے وہ اپنے دوستوں
تک کے لیے ایک راز ہی رہا اور وہ لوگ بھی جن سے چیپلن کے قریبی دوستانہ
تعلقات قائم تھے یا وہ لوگ جو اس کے ساتھ کام کرتے تھے، چیپلن کی رائے،
فیصلوں اور آئندہ کے لیے پیشگی ہدایتوں کو ہمیشہ شک کی نگاہ سے ہی دیکھتے۔
دراصل وہ ٹھنڈے اور اعلا دماغ والا ایک ایسا انسان تھا جو کام کے دوران
آخری لمحے تک اپنی رائے اور فیصلے بدل لینے کا قائل ہو۔ ویسے اسے لوگوں سے
مشورہ کرنا پسند تھا۔ خاص طور سے اسے ایسی طویل گفتگو بھی پسند تھی جس میں
دنیا کے بہترین دماغ اس کے بنی مسائل پر توجہ دے رہے ہوں اور ان کی بات
چیت سے یہ احساس ہو رہا ہو کہ وہ ایک ناتربیت یافتہ لیکن ایک عظیم تخلیقی
ذہن کے حامل شخص کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ ایسے مشوروں پر چارلی کی طرف
سے بھی نہایت توجہ سے غور کیا جاتا اور جس حد تک وہ واقعی اچھے ہوتے،
انھیں قبول بھی کرلیا جاتا تھا۔

جہاں تک اس کی دوسری دلچسپیوں اور شوق کا تعلق ہے چارلی چیپلن

www.taemeernews.com

کو کتابیں پڑھنے کا شوق تھا، اسے سکّے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ پُرانے اور نئے، الگ الگ ملکوں کے اس نے سیکڑوں سکّے جمع کر لیے تھے۔ چارلی چیپلن کو ٹینس کھیلنے کا بھی شوق تھا۔ وہ کوشش کر کے ٹینس کھیلنے کے لیے ضرور وقت نکال لیتا۔ وہ پانی میں تیرنے کا بھی شائق تھا۔ اسے سڑکوں پر پیدل گھومنا بھی اچھا لگتا تھا۔ وہ شہرت کا بھی دلدادہ تھا، لیکن اسے یہ ہرگز اچھا نہ لگتا تھا کہ جب وہ سڑک پر چل رہا ہو تو لوگ اسے دیکھ لیے جانے پر انگلیاں اٹھا اٹھا کر اشارے کرنا شروع کر دیں، چارلی کے دوست، میکس الیسٹین، نے اس کی اس عادت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"..... ایک دن جب چیپلن مجھ سے ملنے کروٹن (CROTON) آیا تو میں کھلی چھت والی فورڈ کار میں اسے شہر لے گیا۔ یہ موٹر کار کسی زمانے میں اچھی حالت میں رہ چکی تھی، لیکن اب کبھی کبھی اڑیل ٹٹو بن جاتی تھی۔ شہر پہنچ کر میں نے اپنی کار ایک ریستوراں کے سامنے روک دی۔ ہم وہاں کچھ تلے ہوئے تکّوں اور چائے وغیرہ سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ ریستوراں میں بیٹھنے کے لیے ہم نے کمرے کا کونا منتخب کیا۔ ابھی بیٹھے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ مجھے احساس ہوا کہ کمرے کی بڑی کھڑکی میں بہت سے چہرے ہمیں جھانک رہے ہیں۔ چیپلن نے بھی انھیں دیکھ لیا تھا۔ اوّل اوّل تو وہ پریشانی کی حالت میں ہنستا رہا۔ پھر وہ اُٹھا اور کرسی کو گھما کر کھڑکی کی طرف اپنی پشت کر لی اور ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا "میرے کاروبار میں اگر ایک تلی ہوئی ٹکیہ بھی لطف کے ساتھ کھانا ہو تو اس سے پہلے قلعہ بندی ضروری ہو جاتی ہے۔"

"کھانے پینے سے ہم جلدی فارغ ہو کر موٹر کار میں آ بیٹھے۔ مگر میری پُرانی فورڈ تو میری کیفیت کے مطابق ہی کام کرتی تھی۔ اگر میں اتفاق سے کسی قدر پریشان ہوتا یا جلدی میں ہوتا تو وہ موٹر کار لازماً کوئی نہ کوئی اسپارک

www.taemeernews.com

"پلگ" (SPARK PLUG) جلا لیتی تھی یا کوئی پُرزہ ڈھیلا کر دیتی تھی۔ اس بار بھی اس نے پریشان کیا۔ ہم وہاں کار کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے اور تکلیف دہ حد تک فٹ پاتھ کے پاس مجمع مسلسل بڑھتا جا رہا تھا اور فورڈ کار، ہیلو چارلی، ارے واہ چارلی، "مستری کو بلاؤں چارلی!" "اس میں گیس بھروا دو چارلی" کے نعروں کے شور میں اپنا شور شامل کر کے جھٹکے کھا رہی تھی۔ چارلی یہ سب کچھ خوش مذاقی کا ثبوت دیتے ہوئے ہنس ہنس کر برداشت کرتا رہا۔ لیکن کار کے ٹھیک ہونے پر جیسے ہی ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو اس نے اتنے کڑوے لفظوں میں ان لوگوں پر لعنت ملامت کی کہ میں حیران رہ گیا۔

"میں نے کہا یہ لعنت ملامت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میرا خیال ہے کہ تمھیں ان کی محبت کو پسند کرنا چاہیے۔ اس نے جواب دیا "یہ محبت نہیں ہے۔ یہ غرور اور انانیت ہے۔ ان لوگوں میں سے کسی کو میرا ذرا بھی خیال نہیں تھا، اگر وہ میرا خیال کرتے تو مجھے ناوقت پریشان نہ کرتے۔ وہ تو اس وقت صرف اپنے بارے میں خیال کر رہے تھے۔ صرف اپنے احساسات میں مگن تھے۔ وہ اس بات پر فخر محسوس کر رہے تھے کہ انھوں نے مشہور کامیڈین چارلی چیپلن کو دیکھ لیا ہے اور اس کے بعد جا کر وہ اپنے دوستوں میں اس کے متعلق شیخی بگھارتے پھرتے۔"

جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے بتایا کہ لندن کے رہنے والوں کا رویہ اس سے کتنا مختلف ہوتا ہے، اس نے بتایا کہ جب میں ایسٹ اینڈ، میں اپنی پرانی جگہ کو دیکھنے گیا تو لوگوں کو اس کی خبر ہو گئی اور باقاعدہ ایک مجمع اکٹھا ہو گیا۔ لیکن وہ اس دوران ہمیشہ اتنے دور رہے کہ میرے اور ان کے درمیان کم از کم ایک سو فٹ کا فاصلہ ضرور رہتا تھا۔ وہ یا تو خاموش رہتے تھے یا آپس میں سرگوشیوں میں بات کرتے تھے۔ انھوں نے مجھے کبھی مخاطب نہیں کیا۔ نہ کوئی نعرہ لگایا اور نہ کوئی جملہ چست کیا۔ اپنے

www.taemeernews.com

اس برتاؤ سے البتہ انھوں نے مجھے یہ احساس ضرور دلایا کہ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں لیکن یہ نیویارک کے لوگ ایسے نہیں ہیں۔ میں انھیں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

اکثر تفریح مہیا کرنے والے افراد کے اندر کچھ غرور آمیز احساسات گھر کر جاتے ہیں اور اگر انھیں مقبولیت و شہرت بھی حاصل ہو چکی ہو تو تکبّر اور بڑھ جایا کرتا ہے۔ لیکن چارلی میں اس رجحان کے برعکس گہرا انکسار موجود تھا۔ بلاشبہہ دوسرے انسانوں کی مانند وہ بھی یہی پسند کرتا تھا کہ اسٹیج کے کسی کونے میں گمنام رہنے کے بجائے وہ اس کے مرکز میں نمایاں طور پر نظر آئے، لیکن وہ دوسروں کی بھی قدر پہچاننے کا حوصلہ رکھتا تھا اور اس سے بھی زیادہ حوصلہ اس میں یہ موجود تھا کہ وہ دوسروں کی بات بھی زیادہ دیر تک نہایت توجہ، شوق اور دلچسپی سے سُن سکتا تھا۔ اس وقت وہ ایک ایسے غریب لڑکے کی مانند ہو جاتا تھا جسے مواقع میسّر نہ ہوں اور وہ سیکھنے کا شایق ہو۔ وہ نہایت حسّاس طبیعت کا مالک تھا۔ وہ خود ایک بڑا اداکار تھا، لیکن عملی زندگی میں مکر و فریب سے نفرت کرتا تھا۔ جھوٹی اور بناوٹی چیزیں اسے بہت جلد بدمزہ کر دیتی تھیں اور ردّ عمل میں وہ ان سے فوری طور سے اپنی توجہ ہٹانے یا کنارہ کشی کرنے میں ذرا بھی تکلف یا پس و پیش نہ کرتا تھا۔ اس میں یہ بھی صفت تھی کہ اپنی ہر بات کو اپنی فطری حرکات کے ذریعے اور اگر ضرورت ہو تو رقص کے ذریعے اس طرح پیش کرے کہ معنی و مفہوم پوری طرح واضح اور روشن ہو جائیں۔ کسی بھی جنس اور کسی بھی طبقہ کا اور کتنا ہی سخت مزاج اور بے حس انسان اس سے ملنے آجاتا، اگر چارلی اس پر اثر انداز ہونا چاہتا تو یہ اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا تھا۔ اپنی دلفریبیوں سے اسے مسحور کرنے میں چارلی کو ذرا بھی دیر نہ لگتی تھی اور ایسا کرنے میں اس کی کامیابی اتنی یقینی ہوتی تھی کہ کوئی دوسرا شخص ایسا مشکل سے ہی نظر آئے گا جو اس کام میں

www.taemeernews.com

چارلی چیپلن کا مدِ مقابل ٹھہرایا جا سکے۔

چارلی چیپلن کی سب سے بڑی خوبی، سب سے زیادہ قابل ذکر اور سب سے زیادہ قابل تعریف بات یہ تھی کہ اس نے ہمیشہ ایک فرض شناس اور فرماں بردار اولاد ہونے کا ثبوت دیا۔ اپنے کاموں میں دن رات مصروف رہنے کے باوجود اس نے اپنی ماں کی دیکھ بھال سے کبھی غفلت نہ برتی اور ہمیشہ اس کا خیال رکھا۔ جب ملازمت کے سلسلے میں وہ لندن کو خیرباد کہہ کر ہالی وڈ آگیا تو ہاتھ میں پیسا آتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ماں کو بھی لندن سے بلا لیا اور ایک آرام دہ مکان حاصل کر کے اس کے رہنے کا انتظام کر دیا۔ چارلی کے والد کا انتقال تو اس وقت ہو ہی چکا تھا جب وہ صرف نو سال کا تھا۔ اس کی ماں اس صدمے کی تاب نہ لا کر ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی۔ علاج معالجے سے وہ کافی حد تک ٹھیک تو ہو گئی تھی، مگر پھر بھی کبھی کبھار پاگل پن کا دورہ پڑ جاتا تھا۔ چارلی چیپلن کے لیے تعریفی کلمات نکلتے ہیں کہ اس نے یہ گوارا نہ کیا کہ ماں مستقل طور سے پاگل خانے میں رہے اور ایک سمجھ دار اور اچھا بیٹا ہونے کے ناطے مغربی تہذیب و معاشرے کے برعکس ماں کی خدمت کو اس نے اپنے لیے سعادت سمجھا اور جب تک ماں حیات رہی برابر اس کی خدمت میں لگا رہا۔

۱۹۴۲ء میں چارلی چیپلن کو اپنے ایک سیاسی نوعیت کے بیان کے سبب ہنگامہ خیز خبروں کا موضوع بننا پڑ گیا تھا۔ اس بیان پر سرکاری سطح پر بھی بڑی لے دے ہوئی تھی۔ یہاں تک کہا گیا کہ اپنے ان مخالفانہ سیاسی نظریات کی وجہ سے ہی امریکا میں برسہا برس تک رہایش اختیار کرنے کے باوجود وہ ابھی تک امریکا کا شہری نہیں بنا ہے۔ رہی سہی کسر ۱۹۴۷ء میں پوری ہو گئی جب اس کی اپنی بنائی ہوئی فلم 'MONSIEUR VERDOUX' نمایش کے لیے پیش ہوئی۔ اس فلم میں درپردہ امریکی سماج پر چھینٹے کسے گئے

www.taemeernews.com

تھے جس نے امریکیوں کو بُری طرح ناراض کر دیا۔ ردّعمل یہ ہوا کہ امریکی سرکار نے چیپلن پر بھاری رقم کے ٹیکس باقی دکھا دیے اور دوسری طرف اخبار والوں اور سیاسی لیڈروں نے بھی دل کھول کر چارلی چیپلن پر جھوٹے سچّے الزامات عاید کرنا شروع کر دیے۔ ان مخالفتوں سے دل برداشتہ ہو کر بالآخر ۱۹۵۲ء میں چارلی چیپلن نے امریکا کو چھوڑ، سوئٹزرلینڈ میں رہنا شروع کر دیا۔ اس طرح امریکا سے چلے جانے پر وہاں کی سرکار بڑی سیخ پا ہوئی۔ چارلی چیپلن سے کہلوایا گیا کہ اب جب کبھی وہ دوبارہ امریکا میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا تو امریکا کا محکمۂ انصاف اس سے باز پُرس کرے گا۔ اس دھمکی کے بعد ۱۹۵۳ء میں جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں اس نے وہ کاغذات (ویزا) بھی امریکی سفارت خانے میں جمع کرا دیے جن کی بنیاد پر وہ امریکا میں آجا سکتا تھا۔

امریکا کی سکونت مستقل طور سے ختم کر دینے کے بعد چیپلن نے بیوی اور اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ ویوے (VEVEY) کے قریب کورسیر۔سُر۔ویوے (CORSIER-SUR-VEVEY) میں رہنا شروع کر دیا۔ ۱۹۵۷ء میں 'THE KING IN NEWYORK' (بادشاہ سلامت نیویارک میں) نامی فلم بنائی۔ اگرچہ یہ بھی ایک مزاحیہ فلم تھی، لیکن ہنسی ہنسی میں اس میں امریکا کی، ہاؤس کمیٹی، کی ان سرگرمیوں پر طنز کیا گیا تھا جو امریکی زندگی کے بعض خراب پہلوؤں کو اُجاگر کرتی تھیں۔ اس فلم کے آجانے کے بعد چارلی چیپلن پر نئے سرے سے کمیونسٹ نواز ہونے کے الزامات لگنے شروع ہو گئے۔ ان الزامات کی چیپلن نے سختی سے تردید کی اور اس کے نتیجے میں آہستہ آہستہ مخالفت بھی ختم ہوتی گئی۔ اخبار والوں اور سیاسی لوگوں نے بھی اپنا انداز فکر بدلا اور پھر تو بجائے مخالفت کے چیپلن کے حق میں تعریفی مضامین شائع ہونے اور بیانات آنے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔

آخر ۱۹۷۲ء میں، پورے بیس سال کی غیر حاضری کے بعد چارلی چیپلن

www.taemeernews.com

کو پھر امریکا جانا پڑا۔ لیکن کسی ملزم کی صورت میں نہیں اور نہ ہی کسی مقدمے کا سامنا کرنے کے لیے بلکہ اس بار وہ نہایت شان سے ایک ہیرو کی طرح گیا اور ہر جگہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ امریکا کا یہ سفر چارلی چیپلن نے خاص طور سے آراستہ کیے گئے ایک بھرے مجمع میں وہ خصوصی اعزاز و انعام حاصل کرنے کے لیے کیا تھا جو امریکا کی متحرک فلموں (MOTION PICTURES) کی تنظیم اور امریکا کی آرٹ اینڈ سائنسز اکیڈمی (ART AND SCIENCES ACADEMY) کی طرف سے پیش کیا گیا تھا۔

۱۹۷۵ء میں ایک بار پھر چیپلن نے ایک بڑا اعزاز حاصل کیا۔ یہ تھا انگلینڈ کی مہارانی الزبتھ دوم کی طرف سے دیا گیا نائٹ (KNIGHT) سَر (SIR) کا خطاب۔ اس خطاب کی اہمیت کا پتا اس بات سے چل سکتا ہے کہ اسے بڑی چھان پھٹک کے بعد صرف ایسے ہی افراد کو دیا جاتا ہے جنھوں نے زندگی میں کوئی بلند مقام حاصل کیا ہو۔ کوئی نمایاں اور قابل ذکر کارنامہ انجام دیا ہو۔

چارلی چیپلن، ہالی وُڈ سے جنیوا کیا آیا کہ اپنا چولا ہی بدل ڈالا۔ نہ پُرانی وضع قطع برقرار رکھی اور نہ عادتیں۔ یہاں تک کہ کفایت شعاری سے زندگی گزارنے کی فکر میں بھی تبدیلی آگئی۔ چارلی چیپلن پہلے دوستوں سے مل کر خوش ہوتا تھا، اب ان سے بھاگنے لگا۔ پہلے یاروں سے خوش گپیاں کرنا پسند تھا۔ اب خلوت نشینی بھانے لگی۔ پہلے انسان دوست تھا، اب مَردم بیزار ہوگیا۔ مزاج کی ان تبدیلیوں میں البتہ ایک تبدیلی ایسی بھی آئی جو خوش آیند تھی۔ پہلے مستقبل کا تصور اُسے خوفزدہ رکھتا تھا، اب اس نے خیالی اندیشوں سے چھٹکارا پالیا تھا۔ پہلے گنجایش موجود ہونے کے باوجود زندگی اس طرح گزارتا تھا کہ بس کام چلتا رہے۔ اب اسے لطف کے ساتھ جینے کا سلیقہ آگیا تھا۔

www.taemeernews.com

'ویوے'، جہاں چارلی چیپلن نے سکونت اختیار کی 'جینوا جھیل' کے کنارے آباد بڑی پُرفضا جگہ ہے۔ اس نے اپنے مکان کے لیے جس جگہ کا انتخاب کیا اس سے چیپلن کے شاعرانہ مزاج اور لطیف ذوقِ سلیم کا پتا چلتا ہے۔ وہ قدرتی حُسن سے مالا مال نہایت خوبصورت اور دل کی گہرائیوں میں گھر کر لینے والی جگہ تھی۔ اس کے مکان تک جانے کے لیے جو راستہ تھا وہ بھی کچھ کم دلفریب نہ تھا۔ راستہ کے دونوں طرف سرسبز اونچے اونچے درخت۔ دور تک سبزہ ہی سبزہ۔ حدِ نگاہ تک ہرے بھرے ڈھلواں میدان اور کہیں اونچی نیچی پہاڑیاں، غرض مجموعی طور پر ایسی بہار افروز جگہ جس سے دل و دماغ کو تازگی آنکھوں کو ٹھنڈک اور روح کو فرحت نصیب ہو۔ اس کا مکان پُرانے طرز کا بنگلہ تھا۔ کُشادہ ہوا دار کمرے۔ بڑا سا گیرج۔ باہر کی دیواریں سڈول پتھروں کی بنی ہوئی۔ مکان کے پچھواڑے پھل دار درختوں کا باغیچہ، تو سامنے کے حصّے میں رنگ برنگے پھولوں سے لدے پودوں کی قطاریں دلوں کو موہ لینے کے لیے موجود، وہاں سے ذرا ہٹ کر ایک طرف مناسب قطعۂ زمین پر سبزی ترکاریاں اُگی ہوئی، اور ان سب کے ساتھ ساتھ بنگلہ کے لمبے چوڑے کمپاؤنڈ میں ہی نہانے کے لیے چھوٹا سا تالاب اور کھیلنے کے لیے ٹینس کورٹ بھی۔ ظاہر ہے ایسی پُررونق جگہ کسی کا گھر ہو تو اس گھر اور گھر کے ساتھ گھر والے کی نظرِ انتخاب اور ذوقِ سلیم کی داد تو دینا ہی پڑے گی۔

چارلی چیپلن نے آرام و آسایش سے زندگی گزارنے پر اب کچھ زیادہ ہی توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ البتہ اس میں ایک خرابی یہ آگئی تھی کہ وہ تنہائی پسند ہوگیا تھا۔ چند مخصوص دوستوں کے علاوہ، جن کی تعداد ایک ہاتھ کی انگلیوں سے بھی کم تھی، وہ دوسرے لوگوں سے ملنے سے کترانے لگا تھا۔ جب کوئی قریبی دوست آجاتا تو خوش ہوتا۔ اگر پہلی بار آیا ہوتا تو اُسے گھر کا ایک ایک کونا فخریہ انداز میں دکھایا جاتا۔ اب یہ بات الگ ہے کہ ایسے دوست روز روز

www.taemeernews.com

نہ آتے، بس کبھی کبھار ہی آتے تھے اور چیپلن (چارلی) گھونگے کی طرح اپنے خول میں ہی مست رہا کرتا۔ اسے خلوت نشینی اتنی پسند آچکی تھی کہ وہ یہاں تک کہا کرتا کہ "اگر اس مکان کے چاروں طرف ایک گہری خندق ہوتی اور اس کے اوپر لوہے کا ایک فولڈنگ پُل (تہہ ہو جانے والا پُل) ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ پُل ہر وقت اٹھا ہی رہتا اور اسے خندق پر صرف اسی وقت بچھایا جاتا جب میرا کوئی قریبی دوست، اور وہ بھی میری دعوت یا اجازت پر، یہاں آیا کرتا۔"

چارلی چیپلن نے مجموعی طور پر ایک کم اسّی (۷۹) فلمیں بنائیں۔ اس کی سب سے پہلی فلم کا نام تھا (MAKING A LIVING) (سعی معاش یا روزی روٹی کے لیے جدوجہد) یہ فلم ۱۹۱۴ء میں بنی تھی۔ فلمی دنیا میں آتے ہی چارلی نے کس تیزی سے کام کیا، اس کا اندازہ اس بات سے لگ سکتا ہے کہ پہلے ہی سال (۱۹۱۴ء) میں ایک نہ دو، پوری ۳۵ فلمیں تیار کر ڈالیں۔ مگر ایک سال کے تجربے نے ہی اُسے یہ بخوبی سمجھا دیا کہ اسے کام پر پوری توجّہ دینے اور اسے زیادہ سنجیدگی سے انجام دینے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال ۱۹۱۵ء میں صرف ۱۱ فلمیں ہی بنائی گئیں۔ بعد کے برسوں میں کتنی کتنی فلمیں بنیں، اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۹۱۶ء میں ۹ فلمیں۔ ۱۹۱۷ء میں ۶ فلمیں۔ ۱۹۱۸ء میں بھی ۶ ہی فلمیں۔ ۱۹۱۹ء میں دو فلمیں ۱۹۲۰ء میں کوئی فلم نہیں۔ ایک سال کے وقفے کے بعد ۱۹۲۱ء میں پھر دو فلمیں۔ ۱۹۲۲ء میں صرف ایک فلم۔ ۱۹۲۳ء میں وقتی طور پر کچھ رفتار بڑھی اور ایک کی بجائے دو فلمیں بنا ڈالیں۔ مگر رفتار میں پھر کمی آئی۔ ۱۹۲۴ء خالی گیا اور ۱۹۲۵ء میں پھر ایک ہی فلم تیار ہوئی۔ اس کے بعد ایک فلم سے دوسری فلم بننے کا وقفہ بڑھتا گیا۔ ۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۷ء خالی گئے۔ ۱۹۲۸ء میں پھر ایک فلم بنائی گئی۔ اور اس کے تین سال بعد ۱۹۳۱ء میں پھر ایک فلم اور آگئی۔ اس کے بعد ۱۹۳۶ء میں ایک، ۱۹۴۰ء میں ایک، اور پھر ۱۹۴۷ء میں بھی صرف ایک فلم ہی تیار ہوئی۔

اس سست رفتار پر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ چیپلن کو محنت کرنے کی

www.taemeernews.com

عادت نہیں رہی۔ وہ بوڑھا اور کمزور ہوگیا ہے، تبھی تو ایک فلم بنانے میں چھے چھے سات سات سال لگا دیتا ہے جبکہ پہلے عالم یہ تھا کہ فلم بنانا شروع کی، اور ایک ہفتہ میں مکمل کر لی گئی۔ مگر چارلی چیپلن نے ان شکایتوں کی مطلق پروانہ کی۔ اب اس میں خود اعتمادی آگئی تھی۔ زندگی کے طویل تجربوں نے اسے سکھا دیا تھا کہ کام چھوٹا ہو یا بڑا، اسے پورے انہماک، دلجمعی اور دلچسپی سے انجام دینا چاہیے۔ رَوا رَوی یا ٹالنے والے انداز میں نہیں جس سے ایسا لگے کہ کام کو بوجھ سمجھ کر انجام دیا گیا ہے کہ اچھا ہو یا بُرا جلد چھٹکارا تو ملے۔

۱۹۴۷ء کے بعد ۱۹۵۲ء میں، پھر ۱۹۵۷ء میں اور اس کے بعد ۱۹۶۶ء میں ایک ایک فلم اور تیار ہوئی۔ ۱۹۶۶ء والی فلم چارلی چیپلن کی آخری فلم ثابت ہوئی۔ اس کا نام تھا ہانگ کانگ کی ایک بیگم 'A COUNTESS FROM HONG-KONG'۔ اس فلم میں مشہور فلمی اداکار مارلن برانڈو اور صوفیہ لارین نے بھی کام کیا تھا۔

چارلی چیپلن کی آواز والی پہلی فلم کا نام تھا عظیم ڈکٹیٹر (آمر) (THE GREAT DICTATOR)۔ یہ ۱۹۴۰ء میں بنی تھی۔ اِس طرح اس نے کل ۷۴ خاموش فلموں میں اور صرف پانچ آواز والی فلموں میں کام کیا۔ ۱۹۵۲ء میں بنائی گئی بولتی فلم LIME LIGHT کی کہانی اس کی اپنی زندگی کی کہانی پیش کرتی ہے۔

یہ عظیم کامیڈین، بچوں اور بڑوں میں یکساں مقبول، سب کا من پسند اداکار فلم بینوں اور فلمیں نہ دیکھنے والوں، سبھی کی پسندیدہ شخصیت جسے چارلی چیپلن کہتے تھے، آخر اس نے دنیا میں اپنے دن پورے کیے اور ۸۸ سال آٹھ ماہ اور نو دن کی عمر پاکر ۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ء کو کورسیئر۔ سُر۔ ویوے، کے مقام پر جہاں اس کا مکان واقع تھا ہمیشہ

www.taemeernews.com

ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ تدفین بھی، کورسیئر میں ہی انجام دی گئی۔

آپ کو تو معلوم ہی ہوگا، عام طور پر لوگ شہرت پسند ہوتے ہیں۔ وہ شہرت پسند ہونے کے ساتھ ساتھ مشاہیر پرست بھی ہوتے ہیں یعنی جنھیں شہرت مل چکی ہو اور خاص طور سے جن لوگوں نے اچھے کارناموں کی وجہ سے نام کمایا ہو، ایسے لوگوں کو بھی پسند کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ان کے قریب جائیں، ان سے وابستہ ہوں۔ اگر یہ ممکن نہیں ہوتا تو ان کے حالات جاننے کی فکر کرتے ہیں بس چلے تو ان کی اصل تخلیقات کو، یہاں تک کہ ان کی برتی ہوئی چیزوں کو حاصل کر کے خوشی اور فخر محسوس کرتے ہیں چاہے اس کے عوض انھیں کتنی ہی قیمت چکانی پڑ جائے۔ یہی صورتِ حال چارلی چیپلن کے معاملے میں بھی دیکھنے کو ملی۔

چارلی چیپلن کا ایک، وائلن، الجزائر کے ایک باشندے نے ۴۸ ہزار فرانک (تقریباً ۸,۷۳,۶۰۰ روپے) میں خریدا۔ کاروں کا کاروبار کرنے والے ایک دلندیزی نے چارلی کا ایک کوٹ حاصل کرنے کے لیے ۱۸ ہزار فرانک (تقریباً ۳,۲۷,۶۰۰ روپے) کی بولی لگائی۔ یہ کوٹ چارلی چیپلن نے ۱۹۵۲ء میں انگلینڈ کی ملکہ الزبتھ کے ساتھ ایک ملاقات کے وقت پہنا تھا۔

ایک عرب شہزادے نے چارلی چیپلن کی آخری کار کی بولی لگائی یہ ۱۹۶۴ء ماڈل کی سیاہ بنٹلے کار تھی جو اس نے نیلامی کے دوران کوئی تین لاکھ ڈالر (تقریباً ۹۳ لاکھ روپے) میں حاصل کی، جبکہ نیلامی کرنے والوں کا خیال تھا کہ اس پرانی کار کے زیادہ سے زیادہ دو لاکھ ڈالر ہی ملیں گے۔

www.taemeernews.com

چیپلن کا بیشتر سامان اس کی خادمہ میریلا کینز نے فروخت کیا جو چارلی کی زندگی کے آخری ۲۵ برسوں کے دوران جینوا جھیل کے کنارے ویوے میں واقع اس کے مکان پر رہ کر چارلی کی خدمت کرتی رہی تھی۔ جب چارلی چیپلن کی باقیات نیلام ہونے لگیں تو ان کے بچوں نے اعتراض کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ مسز کینز نے تو یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ان چیزوں کو فروخت نہیں کریں گی، بلکہ یہ سب چیزیں ویوے کے میوزیم کو عطیہ کے طور پر دے دی جائیں گی۔ مگر اعتراض کرنے والوں کے ساتھ کینز کا کوئی سمجھوتہ ہو گیا اور اس طرح چارلی چیپلن کی یادگار چیزیں کسی محفوظ مقام پر محفوظ رہنے کے بجائے اِدھر اُدھر منتشر ہو گئیں۔